35

ندائے خلافت

لاہور

www.tanzeem.org

ہفت روزہ

7 تا 13 شوال المکرّم 1432ھ / 6 تا 12 ستمبر 2011ء

اس شمارے میں

کراچی خون اُگل رہا ہے

نبی اکرم ﷺ کا خصوصی اُسوہ

بنی اسرائیل پر عذاب الٰہی کے کوڑے اور ملت اسلامیہ پاکستان

اسلام کی نشاۃ ثانیہ: کرنے کا اصل کام

بچوں کو مار سے نہیں، پیار سے پڑھائیں

غزوۂ بدر (II)

اولاد کی تربیت اور کردار سازی

شیطان کی وسوسہ اندازی

جناب وزیر اعظم: ریکارڈ درست کیجیے!

ستائیسویں رمضان اور پاکستان

ایمان: ایک عظیم قوت

مومن کی قوت کا ماخذ اس کا حق وصداقت پر ایمان ہے۔ وہ خواہشِ نفس کے زیر اثر کوئی کام نہیں کرتا‘ نہ ذاتی منفعت‘ نہ جاہلی عصبیت اور نہ ظلم وزیادتی اس کے اعمال کی محرک ہوتی ہے۔ وہ اُس حق کے لیے سب کچھ کرتا ہے‘ جس پر سموات والارض قائم ہیں اور جہاں حق ہوگا وہاں کوئی دوسری چیز ٹھہر نہیں سکتی۔ ﴿وَقُلْ جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ ۚ إِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوقًا ﴿٨١﴾﴾ (بنی اسرائیل)

قادسیہ کی لڑائی میں حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کے سفیر ربعی بن عامرؓ جب ایرانیوں کے سپہ سالار رستم کے پاس گئے تو کیا دیکھتے ہیں کہ اس کے خدم وحشم اور اس کے لشکری سونے چاندی میں لدے پھندے اس کے اردگرد دست بستہ کھڑے ہیں۔ مگر جناب ربعی بن عامرؓ کسی چیز کو خاطر میں نہ لاتے ہوئے آگے بڑھتے گئے اور اپنے کوتاہ قامت گھوڑے‘ اپنی موٹی چھوٹی ڈھال اور اپنے معمولی لباس کے ساتھ رستم کے پاس جا پہنچے۔ اس نے سوال کیا: تم کون ہو؟ اللہ کے اس بندے نے پوری قوت سے کہا:

> ’’ہم ایک ایسی قوم ہیں جسے اللہ نے اس مقصد کے لیے مبعوث کیا ہے کہ ہم اس کی مخلوق کو بندوں کی غلامی سے نکال کر اللہ وحدہٗ لاشریک کی غلامی میں دے دیں‘ اور دنیا کی تنگی سے نکال کر کشائش سے ہمکنار کریں اور باطل ادیان اور طاغوتی قوتوں کے ظلم وجور سے بچا کر اسلام کے سایۂ رحمت میں لے آئیں۔ کشور کشائی ہمارا مقصد نہیں......‘‘

ربعی بن عامرؓ کے اندر یہ کیا چیز بول رہی تھی؟ رستم ایران کے سامنے ان کا یہ بے باکانہ طرزِ تخاطب کس بناء پر تھا؟ صرف اس بناء پر کہ وہ حق وصداقت کے نمائندہ اور علمبردار تھے‘ اور قوتِ حق وصداقت نے اُن کے اندر یہ شجاعت اور بے باکی پیدا کر دی تھی۔

ایمان اور زندگی

علامہ یوسف القرضاوی

الہدیٰ (477)

سورۃ یونس

(آیات:46تا49)

ڈاکٹر اسرار احمدؒ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

وَاِمَّا نُرِيَنَّكَ بَعْضَ الَّذِيْ نَعِدُهُمْ اَوْ نَتَوَفَّيَنَّكَ فَاِلَيْنَا مَرْجِعُهُمْ ثُمَّ اللّٰهُ شَهِيْدٌ عَلٰى مَا يَفْعَلُوْنَ ۝ وَلِكُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلٌ ۚ فَاِذَا جَآءَ رَسُوْلُهُمْ قُضِيَ بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ۝ وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝ قُلْ لَّآ اَمْلِكُ لِنَفْسِيْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ ۭ لِكُلِّ اُمَّةٍ اَجَلٌ ۭ اِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ فَلَا يَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّلَا يَسْتَقْدِمُوْنَ ۝

’’اور اگر ہم کوئی عذاب جس کا ان لوگوں سے وعدہ کرتے ہیں تمہاری آنکھوں کے سامنے (نازل) کریں یا (اس وقت جب) تمہاری مدت حیات پوری کر دیں تو ان کو ہمارے ہی پاس لوٹ کر آنا ہے، پھر جو کچھ یہ کر رہے ہیں اللہ اس کو دیکھ رہا ہے۔ اور ہر ایک امت کی طرف پیغمبر بھیجا گیا۔ جب ان کا پیغمبر آتا ہے تو ان میں انصاف کے ساتھ فیصلہ کر دیا جاتا ہے اور ان پر کچھ ظلم نہیں کیا جاتا۔ اور یہ کہتے ہیں کہ اگر تم سچے ہو تو (جس عذاب کا) یہ وعدہ (ہے وہ آئے گا) کب؟ کہہ دو کہ میں تو اپنے نقصان اور فائدے کا بھی کچھ اختیار نہیں رکھتا مگر جو اللہ چاہے۔ ہر ایک امت کے لیے (موت کا) ایک وقت مقرر ہے۔ جب وہ وقت آتا ہے تو ایک گھڑی بھی دیر نہیں کر سکتے اور نہ جلدی کر سکتے ہیں۔‘‘

کفار کی اسلام دشمنی پر انہیں عذاب کی وعیدیں سنائی جا رہی تھیں۔ اسی ضمن میں رسول اللہ ﷺ کو بتایا جا رہا ہے کہ ہوسکتا ہے کہ ہم آپ کو بھی دکھا دیں بعض وہ چیزیں جن کا ہم ان سے وعدہ کر رہے ہیں یعنی آپؐ کے سامنے اُن پر عذاب لے آئیں۔ یا یہ بھی ہوسکتا ہے کہ ہم آپ کو وفات دے دیں، اور اللہ کا عذاب ان پر بعد میں آئے۔ پھر انہیں ہماری ہی طرف لوٹ کر آنا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس پر گواہ ہے جو وہ کر رہے ہیں۔ یعنی آخری محاسبہ تو قیامت کے دن ہونا ہے۔ وہاں ان کو پوری سزا مل ہی جائے گی۔ لیکن دنیا میں بھی پوری نہ سہی عذاب کی ایک جھلک دکھا دی جائے۔ جیسا کہ بعد میں قریش کے ساتھ ہوا کہ جنگ بدر میں اُن کے بڑے بڑے سردار مارے گئے۔ ہاں قوم نوح کی طرح کا عذاب نہیں آیا۔ اس لیے کہ ایسا نہیں تھا کہ مکہ والے بالکل ہی ایمان نہ لائے ہوں۔ حضرت نوح علیہ السلام کی تو 950 سال کی دعوت کے نتیجہ میں 80 کے قریب لوگ ایمان لائے جبکہ اس تعداد میں بھی مبالغہ نظر آتا ہے مگر یہاں مکہ کے 13 سالوں میں معتد بہ لوگ ایمان لے آئے، جن میں ابوبکر، طلحہ، زبیر، عبدالرحمٰن بن عوف، عمر اور حمزہ رضی اللہ عنہم جیسے سردار بھی تھے۔ تو اس اعتبار سے معاملہ ذرا مختلف ہے۔ بعد ازاں 9ھ میں کفار مکہ کی آخری رسوائی ہوئی جب اعلان عام کر دیا گیا کہ تمہیں چند مہینوں کی مہلت دی جا رہی ہے۔ اس دوران اگر تم ایمان نہیں لاتے تو تمہیں قتل کر دیا جائے گا۔ ورنہ یہاں سے چلے جاؤ۔ پھر اللہ گواہ اور نگران ہے اس پر جو یہ کر رہے ہیں۔

ہم نے ہر امت کے لیے ایک رسول بھیجا۔ اور جب رسول ان کے پاس آگئے تو عدل وانصاف کے ساتھ ان کے مابین فیصلہ کر دیا گیا اور اس طرح ان پر کوئی ظلم نہیں کیا گیا یعنی حضرت نوح، حضرت ہود، حضرت صالح، حضرت شعیب، حضرت لوط اور حضرت موسیٰ علیہم السلام کے معاملات کو ذہن میں رکھئے۔ وہ لوگ پوچھتے تھے کہ یہ جو تم کہتے ہو کہ عذاب آئے گا، عذاب آئے گا تو اگر تم سچے ہو تو بتاؤ یہ وعدہ کب پورا ہوگا۔ اس کے جواب میں نبی ﷺ سے فرمایا جا رہا ہے کہ اے نبی ان سے کہہ دیجیے، میں تو خود اپنی جان کے لیے بھی کوئی اختیار نہیں رکھتا، نہ کسی نقصان کا اور نہ کسی نفع کا، سوائے اس کے جو اللہ چاہے۔ ہر امت کے لیے ایک معین وقت ہے۔ اس وقت سے پہلے عذاب نہیں آئے گا۔ چاہے رسول اللہ کے ساتھی صاحب ایمان کتنا ہی چاہیں کہ جلدی سے عذاب آجائے اور ان نا ہنجاروں کا خاتمہ کر دیا جائے۔ جو مدت اُن کے لیے معین ہے وہ تو پوری ہوگی۔ ہاں جب وہ اجل آجائے گی، وقت آن پہنچے گا تو پھر وہ نہ تو اس کو ایک گھڑی مؤخر کر سکیں گے اور نہ پہلے لا سکیں گے۔

فرمان نبویؐ

پروفیسر محمد یونس جنجوعہ

شوال کے چھ روزے

عَنْ اَبِیْ اَیُّوْبَ رضی اللہ عنہ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: ((مَنْ صَامَ رَمَضَانَ ثُمَّ اَتْبَعَهُ سِتًّا مِّنْ شَوَّالٍ كَانَ كَصِيَامِ الدَّهْرِ)) (رواہ مسلم)

حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ’’جس نے رمضان کے روزے رکھ کر اس کے پیچھے شوال کے چھ روزے رکھ لئے، تو گویا اس نے سال بھر کے روزے رکھ لئے!‘‘

تشریح: اس کا حساب یوں سمجھئے کہ تیس روزے آپ نے رمضان کے رکھے اور چھ شوال میں رکھے، کل 36 روزے ہوگئے۔ ایک نیکی کا بدلہ کم از کم دس گنا ہے۔ اس حساب سے 36 کا دس گنا 360 ہوگیا، سال بھر میں 5 دن کے روزے حرام ہیں، کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مسلمانوں کی مہمانی کے دن ہیں۔ یعنی یکم شوال اور 10 تا 13 ذی الحجہ۔ یہ پانچ نکال دیں تو سال کے دن 360 ہوئے۔ پس جس نے 30+6=36 روزے رکھ لئے گویا اُس نے پورا سال روزے رکھے۔ شوال کے یہ روزے آپ لگاتار بھی رکھ سکتے ہیں، اور ایک ایک دو دو کر کے بھی مگر شوال کے مہینے میں رکھنے ضروری ہیں (بعد میں رکھنے سے یہ ثواب نہ ملے گا!)

تا خلافت کی بنا' دنیا میں ہو پھر استوار
لا کہیں سے ڈھونڈ کر اسلاف کا قلب و جگر

تنظیم اسلامی کا ترجمان' نظامِ خلافت کا نقیب

ہفت روزہ
لاہور

ندائے خلافت

بانی: اقتدار احمد مرحوم

7 تا 13 شوال المکرّم 1432ھ جلد 20
6 تا 12 ستمبر 2011ء شمارہ 35

مدیر مسئول: حافظ عاکف سعید

مدیر: ایوب بیگ مرزا

نائب مدیر: محبوب الحق عاجز

نگران طباعت: شیخ رحیم الدین
پبلشر: محمد سعید اسعد' **طابع:** رشید احمد چودھری
مطبع: مکتبہ جدید پریس' ریلوے روڈ' لاہور

مرکزی دفتر تنظیم اسلامی:
67-اے' علامہ اقبال روڈ' گڑھی شاہو' لاہور-54000
فون: 36316638-36366638 فیکس: 36271241
E-Mail:markaz@tanzeem.org
مقام اشاعت: 36-کے' ماڈل ٹاؤن' لاہور-54700
فون: 35869501-03 فیکس: 35834000
publications@tanzeem.org

قیمت فی شمارہ 12 روپے

سالانہ زرِ تعاون
اندرونِ ملک...... 450 روپے
بیرون پاکستان
انڈیا------------------(2000 روپے)
یورپ' ایشیا' افریقہ وغیرہ (2500 روپے)
امریکہ' کینیڈا' آسٹریلیا وغیرہ (3000 روپے)
ڈرافٹ' منی آرڈر یا پے آرڈر
"مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن" کے عنوان سے ارسال کریں۔ چیک قبول نہیں کیے جاتے

"ادارہ" کا مضمون نگار حضرات کی تمام آراء سے پورے طور پر متفق ہونا ضروری نہیں

اداریہ

ایوب بیگ مرزا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

کراچی خون اُگل رہا ہے

1857ء کی ناکام جنگ آزادی کے بعد جب دہلی تباہ و برباد کردی گئی تو اسد اللہ غالب حالات سے اتنا مایوس اور دلبرشتہ ہوا کہ کہہ اُٹھا ع مقدور ہو تو ساتھ رکھوں نوحہ گر کو میں۔ شاعر چونکہ غیر عملی لوگ، محض گفتار کے غازی ہوتے ہیں۔ اُن کا معاملہ ایک قوال کا سا ہوتا ہے جس کی قوالی سے سامعین کو تو حال آ جاتا ہے یا اُن پر وجد طاری ہو جاتا ہے لیکن خود قوال پر یہ کیفیت طاری نہیں ہوتی۔ آج کراچی خون اُگل رہا ہے۔ ساری پاکستانی قوم (اگر اس نام کی کوئی قوم ہے) ایک شاعر کی مانند گفتار کی غازی بنی ہوئی خراب حالات کی قوالی کیے جا رہی ہے۔ غالب ایک نوحہ گر ساتھ نہ رکھ سکے۔ یہاں ساری قوم نوحہ گر بنی نوحہ خوانی کر رہی ہے۔ قوم کا ہر فرد ورطۂ حیرت میں ڈوبا دوسرے سے پوچھ رہا ہے کہ کراچی کو ہوا کیا ہے۔ ہم سوچ رہے ہیں کہ کیا قوم اتنی بھولی سیدھی اور اگر آپ بُرا نہ مانیں تو جاہل ہے کہ یہ تک نہیں جانتی کہ جسد میں مفسد مواد پیدا ہو جائے تو شروع میں پھوڑا کہیں ایک جگہ پر نکلتا ہے۔ بات بات پر اللہ کا واسطہ دینے والی اور دن رات محمد ﷺ کی مبارک شان میں نعت خوانی کرنے والی قوم قرآن کو اپنا امام بنانے اور محمد رسول اللہ ﷺ کی سنت کو اپنانے کو تیار نہیں۔ اللہ رب العزت قرآن پاک میں ہمیں آئینہ دکھاتا ہے: "اور ان میں بعض ایسے ہیں جنہوں نے اللہ سے عہد کیا تھا کہ اگر وہ ہم کو اپنی مہربانی سے مال عطا فرمائے گا تو ہم ضرور خیرات کیا کریں گے اور نیکو کاروں میں ہو جائیں گے۔ لیکن جب اللہ نے ان کو اپنے فضل سے (مال) دیا تو اس میں بخل کرنے لگے اور روگردانی کر کے پھر بیٹھے۔ تو اللہ نے ان کا انجام یہ کیا کہ اس روز تک کے لیے جس میں وہ اللہ کے روبرو حاضر ہوں گے ان کے دلوں میں نفاق ڈال دیا۔ اس لیے کہ انہوں نے اللہ سے جو وعدہ کیا تھا اس کے خلاف کیا اور اس لیے کہ وہ جھوٹ بولتے تھے۔" (التوبہ:75-77)

اللہ اپنی سنت تبدیل نہیں کرتا۔ آج بھی لوگ موجود ہیں جنہوں نے اپنے کانوں سے "پاکستان کا مطلب کیا لا الٰہ الا اللہ" کے نعرے سنے۔ بے رحم تاریخ کے ریکارڈ میں قیام پاکستان سے پہلے معمار پاکستان کی ایک سو سے زائد تقریریں موجود ہیں، جن کا بلاواسطہ اور بالواسطہ مفہوم یہ ہے کہ پاکستان میں اسلامی نظام رائج ہوگا۔ قیام پاکستان سے پہلے قرآن پاک کو پاکستان کا آئین خود قائد نے قرار دیا۔ پھر 25 جنوری 1948ء کو انہوں نے کراچی میں تقریر کرتے ہوئے اِس پروپیگنڈے کو شر انگیز قرار دے دیا کہ پاکستان میں شریعت محمدیؐ کا نفاذ نہیں ہوگا۔ اِس پس منظر میں قرآن کے آئینہ میں پھر جھانکئے۔ اللہ فرماتا ہے: "کہہ دو کہ وہ (اس پر بھی) قدرت رکھتا ہے کہ تم پر اوپر کی طرف سے یا تمہارے پاؤں کے نیچے سے عذاب بھیجے یا تمہیں فرقہ فرقہ کردے اور ایک کو دوسرے (سے لڑا کر آپس) کی لڑائی کا مزا چکھا دے۔ دیکھو، ہم اپنی آیتوں کو کس کس طرح بیان کرتے ہیں، تاکہ یہ لوگ سمجھیں۔" (سورۃ الانعام:65)

کیا مسلمانانِ پاکستان عذاب کی اِن تینوں اقسام میں مبتلا نہیں؟ کیا ہم پر عذاب کی یہ تیسری قسم خاص طور پر مسلط نہیں؟ اور کیا کراچی میں لوگ گروہوں میں تقسیم ہو کر ایک دوسرے کے ہاتھوں ہلاک نہیں ہو رہے۔ اگر اب بھی کوئی پوچھے کہ یہ کراچی میں کیا اور کیوں ہو رہا ہے تو یہ تجاہلِ عارفانہ ہے۔ یہ سمجھ کر نہ سمجھنا ہے۔ سوال یہ ہے کہ ہم سمجھ کر اور جان کر کیوں نہیں سمجھتے اور جانتے ہیں؟ اس کی وجہ بھی قرآن استفہامیہ انداز میں ہمیں بتاتا ہے: "بھلا یہ لوگ قرآن میں غور نہیں کرتے یا (ان کے) دلوں پر قفل لگ رہے ہیں۔" (سورۂ محمدؐ:24)

ہمارا ایک جرم یہ بھی ہے کہ ہم مملکت خداداد اسلامی جمہوریہ پاکستان ہوتے ہوئے برادر اسلامی ملک افغانستان کے خلاف عالم کفر کے اتحادی بنے اور اُسے تخت وتاراج کرنے میں اُن کی براہِ راست معاونت کی۔عسکری قیادت کا معاملہ یہ ہے کہ ریمنڈ ڈیوس کی سفاکی اور ایبٹ آباد کے واقعہ نے اُن کی آنکھیں کھول دی ہیں۔ پاک فوج اب اس جنگ سے علیحدگی کی کوشش میں ہے۔لہٰذا شمالی وزیرستان میں آپریشن سے انکار کر دیا ہے۔ درحقیقت یہ امریکہ کی کوشش تھی کہ پاک آرمی کو زیادہ سے زیادہ پھیلا دیا جائے۔ جب یہ کوشش ناکام ہوئی تو پرویز مشرف اور صدر زرداری کی مہربانیوں سے جو نیٹ ورک سی آئی اے نے ملک بھر میں پھیلایا ہوا تھا، اُس کے ذریعے کراچی کو تختہ مشق بنایا گیا۔اب کچھ لوگ لاعلمی اور سادگی سے اور کچھ بدنیتی سے یہ مطالبہ کر رہے ہیں کہ کراچی فوج کے حوالے کیا جائے، تاکہ امریکی منصوبہ آگے بڑھ سکے۔ جونہی فوج کراچی میں داخل ہوگئی، یہی عناصر جو آج چیخ چیخ کر فوج بلانے کا مطالبہ کر رہے ہیں فوج کے ظلم وستم کے قصے بیان کرنا شروع کر دیں گے۔ پختون خوا کی طرح کراچی اور سندھ کے عوام میں فوج کے خلاف نفرت پیدا کرنا مقصود ہے۔ پس مسئلہ صرف کراچی کا نہیں، بلکہ مقصود ایٹمی صلاحیت کے حامل اسلامی ملک کو تباہ کرنا ہے۔

ہم سمجھتے ہیں کہ کراچی کے مسئلہ کا مستقل، حتمی اور پائیدار حل تو صرف اور صرف یہ ہے کہ تحریک پاکستان کے دوران کیے گئے وعدہ کو نبھایا جائے۔ پاکستان کو صحیح معنوں میں اسلامی فلاحی ریاست بنایا جائے۔ اس حوالہ سے واضح کرنا ضروری ہے کہ ہماری حیثیت محض قوال کی نہیں ہے بلکہ جیسی کیسی بھی ہماری صلاحیت اور استعداد کار ہے اور جتنے بھی قلیل اور کمزور ہم ہیں نظام خلافت کے قیام کی جدوجہد کے لیے میدانِ عمل میں موجود ہیں۔ اسی کی دوسروں کو دعوت دے رہے ہیں اور پاکستان کے ہی نہیں اُمت مسلمہ کے تمام مسائل کا حل اس نظام کے نفاذ کو سمجھتے ہیں۔ البتہ فوری طور پر کراچی میں خونریزی روکنے کے لیے اور عارضی طور پر امن قائم کرنے کے لیے ہم تجویز کرتے ہیں کہ کراچی کو کاسمو پولیٹن سٹی قرار دیا جائے۔ پولیس کو وفاقی اور صوبائی سطح کے سیاسی رہنماؤں بلکہ مرکزی اور صوبائی حکومت کے تسلط سے آزاد کر کے فری ہینڈ دیا جائے۔ اِن سیاست دانوں کے پاس پولیس کی پوسٹنگ اور ٹرانسفر کے اختیارات نہ ہوں۔ جس کسی کی بھی کسی مجرم کے لیے سفارش آئے اُسے مجرم کا ساتھی قرار دے کر شاملِ تفتیش کیا جائے۔ شہری سطح پر خصوصی عدالتیں قائم کی جائیں، جو صرف ٹارگٹ کلرز اور دوسرے دہشت گردوں کے مقدمات سنیں۔ پولیس چالان مکمل کرنے اور عدالت کارروائی مکمل کرنے کے لیے ایک محدود وقت کی پابند ہو۔ اور یہ سزائیں سرِ عام بازاروں، چوکوں اور مارکیٹوں میں دے کر اُنہیں عبرت کا نشان بنایا جائے۔ سی آئی اے کے نیٹ ورک کا صفایا کیا جائے۔ جو پاکستانی ان ایجنسیوں سے تعلق رکھتے ہوں اُنہیں عبرت ناک سزا دی جائے۔ شہر میں امریکی قونصل خانے کے عملے کی نقل وحرکت کو انتہائی محدود کر دیا جائے اور اُن کی سخت مانیٹرنگ کی جائے۔ CIA اور ISI میں اختلافات کے بعد پنجاب میں اُن کی نقل وحرکت محدود کر دی گئی تھی۔ اُس کے بعد پنجاب کے شہروں میں دہشت گردی تقریباً ختم ہو چکی ہے۔ شہر میں ایک زبردست مہم کے تحت را کے ایجنٹوں اور اُن سے تعلق رکھنے والے پاکستانیوں کو تلاش کر کے کیفر کردار تک پہنچایا جائے۔ امیگریشن کے ایک سابق اعلیٰ عہدہ دار کے مطابق چند سال پہلے یہ روٹین تھی کہ بیس پچیس مسافر بھارت سے ہر فلائٹ پر کراچی ایئر پورٹ پر اترتے، اُن کے کاغذات جعلی ہوتے تھے اور وہ کراچی شہر میں داخل ہو کر غائب ہو جاتے تھے۔ ہم دیانت داری سے یہ سمجھتے ہیں کہ اگر یہ اقدام فوری طور پر اُٹھا لیے جائیں تو وقتی طور پر کراچی خون اُگلنا بند کر دے گا۔ البتہ یہ کہ پاکستان کے تمام مسائل کے حتمی اور مستقل حل کے لیے وہی نسخہ کیمیا کارگر ثابت ہوگا جس کا آغاز غارِ حرا سے ہوا تھا اور فتح مکہ سے اُس کا فرسٹ فیز مکمل ہوا تھا۔ ہماری دلی خواہش ہے کہ صادق المصدوق محمد مصطفیٰ ﷺ نے اسلام کے جس عالمی غلبہ کی نوید جانفزا سنائی تھی، کاش اُس کی ابتدا پیارے وطن پاکستان سے ہو۔ اے کاش۔ آمین یارب العالمین

بیابہ مجلس اسرار

نبی اکرم ﷺ کا خصوصی اُسوہ

نبی اکرم ﷺ کا اصل اور خصوصی اسوہ کون سا ہے؟ یہ اسوۂ حسنہ آپؐ کا وہ صبر وثبات' اللہ کے دین کے لیے سرفروشی اور جاں فشانی ہے جو ہمیں غزوۂ احزاب میں نظر آتی ہے۔ آپؐ کا یہ حال تھا کہ آپؐ اپنے جان نثاروں کے شانہ بشانہ اور قدم بقدم ہی نہیں بلکہ ان سے بھی بڑھ کر ہر مشقت میں شریک تھے۔ کوئی تکلیف ایسی نہ تھی جو دوسروں نے اٹھائی ہو اور آپؐ نے نہ اٹھائی ہو۔

یہ نہیں تھا کہ کہیں زرنگار خیمہ علیحدہ لگا دیا گیا ہو اور قالین بچھا دیئے گئے ہوں اور وہاں حضور ﷺ آرام فرما رہے ہوں اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم ہی خندق کھودنے کے لئے کدالیں چلا رہے ہوں۔ بلکہ معاملہ یہ تھا کہ خندق کھودنے والوں میں آپؐ بھی شامل تھے۔ کدالیں چلاتے ہوئے صحابہؓ کرام بیک آواز کہتے: اَللّٰھُمَّ لَا عَیْشَ اِلَّا عَیْشُ الْاٰخِرَۃِ اور نبی اکرم ﷺ ان کے ساتھ آواز میں آواز ملا کر فرماتے: فَاغْفِرِ الْاَنْصَارَ وَالْمُھَاجِرَۃَ۔ سردی اور بھوک کی تکالیف اٹھانے میں بھی آپؐ برابر کے شریک تھے...... بھوک اور نقاہت سے کہیں کمر دہری نہ ہو جائے' اس خیال سے صحابہ کرامؓ نے اپنے پیٹوں پر پتھر باندھ رکھے تھے۔ ایک صحابیؓ نے حضور ﷺ کو اپنے پیٹ پر بندھا ہوا پتھر دکھایا تو سرورِ عالم محبوب رب العالمین' خاتم النبیین والمرسلین نے اپنا کُرتہ اٹھایا تو صحابی نے دیکھا کہ آپؐ کے شکم مبارک پر دو پتھر بندھے ہیں۔

محاصرے کے دوران آپؐ ہر وقت خندق میں موجود رہے اور جس طرح صحابہ کرامؓ تکان سے چُور ہو کر پتھر کا تکیہ بنا کر تھوڑی دیر کے لئے آرام کی خاطر لیٹ جاتے تھے' اسی طرح حضور ﷺ بھی وہیں کھلی زمین پر کچھ دیر کے لئے پتھر پر سر رکھ کر آرام فرما لیا کرتے تھے۔ یہ نہیں تھا کہ آپؐ نے استراحت کے لئے اپنے واسطے کوئی خصوصی اہتمام فرمایا ہو۔ بنی قریظہ کی غداری کے بعد جس خطرے میں سب مسلمانوں کے اہل وعیال مبتلا تھے' اُسی سے آپؐ کے اہل خانہ دوچار تھے۔ اپنے لئے یا اپنے اہل وعیال کے لئے آپؐ نے حفاظت کا کوئی خصوصی انتظام نہیں کیا تھا۔ یہ ہے اصل صورت واقعہ اور صورتِ حال جس کے تناظر میں فرمایا گیا ہے: ﴿لَقَدْ کَانَ لَکُمْ فِیْ رَسُوْلِ اللّٰہِ اُسْوَۃٌ حَسَنَۃٌ......﴾ (الاحزاب: 21)

''تمہارے لیے اللہ کے رسول ﷺ کی زندگی میں بہترین نمونہ ہے۔''

بنی اسرائیل پر عذاب الٰہی کے کوڑے اور ملت اسلامیہ پاکستان (II)

مسجد جامع القرآن، قرآن اکیڈمی ماڈل ٹاؤن لاہور میں
امیر تنظیم اسلامی محترم **حافظ عاکف سعید** حفظہ اللہ کے 22 جولائی 2011ء کے خطاب جمعہ کی تلخیص

بنی اسرائیل کی پوری تاریخ دینا مقصود نہیں ہے، تاہم مختصراً یہ بتا دیا جائے کہ بنی اسرائیل پر دو عروج اور دو ہی زوال کے ادوار آئے۔ اُن کا سب سے بڑا دور عروج حضرت سلیمان علیہ السلام، حضرت داؤد علیہ السلام اور حضرت طالوت علیہ السلام کا عہد زریں ہے۔ اس کے بعد اُن پر زوال آیا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کے بعد ان کی سلطنت دو حصوں میں بٹ گئی: ایک اسرائیل اور دوسری یہودیہ۔ اب دونوں کے درمیان خونریزی ہونے لگی اور یہود پر زوال آنا شروع ہوا۔ شمال سے آشوریوں اور مشرق سے بخت نصر کے حملے کے بعد یہود کی مغلوبی و محکومی اور بابل کی لگ بھگ سو سالہ اسیری کا دور بنی اسرائیل کی ذلت و رسوائی کا شدید ترین زمانہ ہے — بنی اسرائیل کے دوسرے دور عروج کا آغاز بابل کی اسیری سے شہنشاہ سائرس یا ذوالقرنین کے ہاتھوں نجات کے بعد حضرت مسیح علیہ السلام سے تقریباً ساڑھے چار سو سال قبل حضرت عزیر علیہ السلام کی تجدیدی و اصلاحی مساعی سے ہوا۔ اس دور عروج کا مظہر وہ مکابی سلطنت تھی جو 170ق م تا 67ق م پوری شان و شوکت کے ساتھ قائم رہی۔ عروج کا یہ دور بھی لگ بھگ تین سو سال جاری رہا۔ پھر بنی اسرائیل پر دوسرا دور زوال آیا۔ اس دور کی ابتدا 63ق م رومی فاتح پومپئی کے ہاتھوں یروشلم کی فتح سے ہوئی۔ اس دوران یہود پر دوسری بار عذاب الٰہی کا کوڑا رومی جرنیل طیطس کے ہاتھوں برسا، جس نے 70ء میں یروشلم شہر اور ہیکل سلیمانی کو دوبارہ مسمار کیا۔ ایک دن میں ایک لاکھ 33 ہزار یہودی قتل کیے اور 63 ہزار کو غلام بنا لیا۔ اس کے بعد پورے چھ سو سال تک اُن کا اُس سرزمین پر داخلہ بند رہا۔

یہود پر عذاب کا مضمون سورۃ المائدہ میں بھی آیا ہے۔ وہاں فرمایا گیا کہ یہودی بالکل اندھے بہرے ہو گئے۔ (آیت: 71) اندھے بہرے ہونے کا مطلب یہ ہے کہ آسمانی ہدایت موجود تھی، مگر وہ اسے پڑھنے اور سننے کو تیار نہ تھے، اس کی طرف رجوع کرنے کے لیے آمادہ نہ تھے۔ دین کا کوئی بھی خواہ انہیں آسمانی ہدایت سنانے کی کوشش کرتا، کوئی وعظ کہنا چاہتا تو وہ کان بند کر لیتے تھے۔ پس جب وہ اندھے بہرے ہو کر دنیا پرستی میں مبتلا ہو گئے تو اللہ کی طرف سے اُن پر عذاب کے کوڑے برسے۔ اللہ نے اُن پر اپنے سخت بندے مسلط کر دیے، فراعنہ اور نمارده کو مسلط کر دیا جو خود خدائی کے دعوے دار تھے۔ دراصل جب مسلمان قوم اللہ کے دین سے بے وفائی اور غداری کرے تو اس کا یہی انجام ہوتا ہے۔ پھر اُس پر یونہی فراعنہ اور نمارده کو مسلط کر کے اُسے عذاب دیا جاتا ہے۔ یہ درست ہے کہ فرعونوں اور نمرودوں نے تو خود اللہ سے بغاوت کی ہے، مگر زمین پر اللہ کی نمائندہ اُمت، جس تک آسمانی ہدایت پہنچ جاتی ہے اگر اللہ کی ہدایت اور رب کی بندگی کو چھوڑ کر نفس پرستی اور دولت پرستی میں مبتلا ہو جائے تو وہ فرعونوں اور نمرودوں سے بھی بڑھ کر مجرم ٹھہرتی ہے۔ بنی اسرائیل میں مسلسل انبیاء آتے رہے۔ ان کی تاریخ میں کوئی ایک لمحہ ایسا نہیں آیا کہ کوئی نبی موجود نہ ہو۔ حدیث مبارکہ کے مطابق جب ایک نبی کا انتقال ہوتا تھا تو اس کی جگہ لینے کے لیے دوسرا نبی آ موجود ہوتا تھا۔ بنی اسرائیل کو انبیاء کرام نے بہت سمجھایا کہ جرائم سے باز آ جاؤ اور سرکشی کی روش ترک کر دو، مگر وہ باز نہ آئے۔ انہوں نے دین سے سرکشی کی روش نہ بدلی۔ جب کوئی اُمت زوال میں مبتلا ہوتی ہے، اُس پر عقائد اور اخلاق و کردار کا زوال آتا ہے، سمجھانے والے سمجھاتے ہیں، لیکن قوم سننے کو تیار ہی نہیں ہوتی، تو پھر اُس پر خدائی قہر ٹوٹتا ہے۔ بنی اسرائیل کے ساتھ یہی ہوا۔ اللہ کے دین سے بغاوت اور غداری کر کے وہ سخت ترین عذاب کے مستحق ہوئے۔ بدقسمتی سے آج ہم مسلمان بالخصوص ملت اسلامیہ پاکستان اسی مقام پر پہنچ چکی ہے۔ حالات واقعات گواہی دے رہے ہیں کہ ہمارے خلاف شکنجہ کسا جا چکا ہے۔ پانچ سال پہلے والد محترمؒ نے اسی مقام پر تقریر میں حالات و واقعات کا تجزیہ کرتے ہوئے کہا تھا کہ پاکستان کے خاتمے کی الٹی گنتی شروع ہو چکی ہے۔ آج تو یہ بات اور بھی مبرہن ہو کر سامنے آ چکی ہے۔ اس وقت ہم پورے طور پر امریکہ کے رحم و کرم پر ہیں۔ وہ اپنے تمام ابتدائی ٹارگٹ حاصل کر چکا ہے۔ اُس نے ہم میں باہمی تنازعات پیدا

کر دیئے ہیں۔ دینی طبقات کو ایک طرف رکھیں، سیکولر طبقات اے این پی، ایم کیو ایم باہم برسرپیکار اور ایک دوسرے کے خون کے پیاسے ہیں۔ امریکہ نے بلوچستان کی صورتحال بھی حد درجہ مخدوش بنا دی ہے۔ ٹھیک ہے، فوج پاکستان کی سب سے بڑی محافظ ہے، لیکن اُس کی جڑوں پر بھی اُس کے اپنے کردار کی وجہ سے تیشے پڑ چکے ہیں۔ عوام اور فوج کے درمیان سخت ترین نفرت کی خلیج حائل ہو چکی ہے۔ اب بلوچستان اور قبائلی علاقوں کے عوام فوج کی مدد کے لیے کیونکر اُٹھیں گے؟ امریکہ پاکستان کو کمزور کرنے کے لیے جو کچھ کرنا چاہتا تھا، وہ اس میں کامیاب ہو چکا ہے۔ وجہ یہ ہے کہ ہم نے اس کے آگے سر جھکا دیا۔ حال ہی میں میرے ایک دوست امریکہ سے آئے۔ انہوں نے پریشانی کے عالم میں مجھے بتایا کہ ایبٹ آباد سانحہ کے بعد سے امریکی میڈیا نے اپنی توپوں کا رُخ پورے طور پر پاکستان کی طرف موڑ لیا ہے۔ وہ پاکستان کے خلاف اتنا زہر اُگل رہا ہے کہ جس کا پہلے تصور بھی نہیں کیا جا سکتا تھا۔ اب اُس پر افغانستان کا تذکرہ نہیں ہو رہا، بلکہ یہی کہا جا رہا ہے کہ سارا قصور پاکستان کا ہے۔ اُسی نے القاعدہ کو بھی پناہ دی ہے۔ ابھی تک تو یہی الزام تھا کہ ہم نے طالبان کو پناہ دی ہے، لیکن اب یہ کہا جا رہا ہے کہ القاعدہ والوں کو بھی پناہ ہم ہی نے دی ہے اور ہم ان کی مدد کر رہے ہیں۔ زبردست کا ٹھینگا سر پر ہوتا ہے۔ خود کردہ را علاج نیست۔ ہم نے خود ملک کو یہاں تک پہنچایا ہے کہ اب امریکہ کو جواب بھی نہیں دے سکتے۔ اُن کا کہنا تھا کہ بالکل یوں محسوس ہوتا ہے کہ جیسے نائن الیون سے پہلے افغانستان پر حملہ کے لیے ایک فضا تیار کی گئی تھی، اب پاکستان پر حملہ کرنے کے لیے امریکہ پنجے تیز کر رہا ہے۔ وہاں کی رائے عامہ کو پوری طرح باور کرا دیا گیا ہے کہ اصل مجرم افغانستان نہیں، پاکستان ہے، اور اس کے خلاف کوئی بڑے سے بڑا اقدام بھی اُٹھایا جائے تو وہ کم ہے۔ یہ ہے وہ صورتحال جہاں ہم کھڑے ہیں۔

اس صورتحال میں امریکہ کو گالی دینے کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔ یہ اللہ کی طرف سے عذاب ہے جو ہم پر مسلط ہوا چاہتا ہے۔ ہمیں اللہ سے بے وفائی کی روش ترک کرنے کی ضرورت ہے۔ ہم کہتے تھے کہ امریکہ کے پاس بڑی جنگی قوت ہے، تو اللہ نے اُس بڑی قوت کو فی الواقع ہم پر مسلط کر دیا۔ ہم نے اللہ کو بڑی قوت نہیں مانا، بڑی قوت امریکہ کو تسلیم کیا۔ ہم نے جن کی خوشنودی کے لیے اللہ کے وفادار طالبان کی پیٹھ میں چھرا گھونپا، اللہ کے دین سے غداری کی، اب انہی کے ہاتھوں ہماری پٹائی ہو گی۔ ہم نے بھی دین سے غداری، اپنوں سے بے وفائی اور غیروں سے تعاون کا وہ مجرمانہ رویہ اپنایا جو بنی اسرائیل نے اپنایا تھا، اور آج اُسی انجام بد سے دوچار ہیں جس سے یہودی دوچار ہوئے تھے۔ یہود کو پہلے فساد پر حضرت داؤد علیہ السلام نے تنبیہ کرتے ہوئے کہا تھا:

''انہوں (بنی اسرائیل) نے ان قوموں کو ہلاک نہ کیا جیسا خداوند نے ان کو حکم دیا تھا بلکہ ان قوموں کے ساتھ مل گئے، اور ان کے سے کام سیکھ گئے، اور ان کے بتوں کی پرستش کرنے لگے جو ان کے لیے پھندا بن گئے، بلکہ انہوں نے اپنی بیٹیوں کو شیاطین کے لیے قربان کیا۔ اور معصوموں کا یعنی اپنے بیٹوں اور بیٹیوں کا خون بہایا...... اس لیے خداوند کا قہر اپنے لوگوں (بنی اسرائیل) پر بھڑکا، اور اسے اپنی میراث سے نفرت ہو گئی، اور اس نے ان کو قوموں کے قبضے میں کر دیا، اور ان سے عداوت رکھنے والے ان پر حکمران بن گئے۔'' (زبور، باب:106)

آج ہمارا بھی یہی حال ہے۔ ہم بھی دشمنوں کے تراشیدہ بتوں مادہ پرستی اور وطنیت کی پوجا کر رہے ہیں۔ جس دشمن کے خلاف ہمیں مزاحمت کرنی چاہیے تھی، ہم اُس کے ساتھ مل گئے ہیں۔ کون نہیں جانتا کہ نام نہاد دہشت گردی کے خلاف امریکہ اور اتحادیوں کی جنگ اصل میں یہود و نصاریٰ کی اسلام کے خلاف جنگ ہے۔ اس کی بنیاد اسلام اور مسلم دشمنی ہے۔ اس مجرمانہ ساتھ دینے کی پاداش میں اللہ نے ہم پر امریکہ کو مسلط کر دیا ہے۔

بنی اسرائیل میں اُن کے کرتوتوں کے سبب جو فساد عظیم رونما ہوا اور بگاڑ پیدا ہوا، حضرت یسعیاہ نبی نے اُس کے نتیجے میں آنے والی اس تباہی کی خبر اپنے صحیفے میں پہلے ہی بایں الفاظ دے دی تھی (یاد رہے کہ یہ بالکل اس دور کے قریب کے نبی ہیں جب بخت نصر نے یروشلم پر حملہ کیا۔)

''آہ خطاکار گروہ، بدکرداری سے لدی ہوئی قوم، بدکرداروں کی نسل، مکار اولاد، جنہوں نے خداوند کو ترک کر دیا (یعنی اللہ کو اور اس کے دین کو چھوڑ دیا۔) اسرائیل کے قدوس کو حقیر جانا اور گمراہ و برگشتہ ہو گئے۔ تم کیوں زیادہ بغاوت کر کے اور مار کھاؤ گے۔ (رب کے خلاف بغاوت کرو گے تو سخت ترین عذاب کے مستحق ہو گے۔)'' (زبور، باب1)

اسی طرح تورات میں ایک اور مقام پر کہا گیا:

''چونکہ صیہون کی بیٹیاں (یعنی یروشلم کی رہنے والیاں) متکبر اور گردن کشی اور شوخ چشمی سے خراماں ہوتی ہیں، اور اپنے پاؤں سے ناز رفتاری کرتی اور گھنگھرو بجاتی جاتی ہیں، اس لیے خداوند صیہون کی بیٹیوں کے سر گنجے اور ان کے بدن بے پردہ کر دے گا ...... تیرے بہادر تہ تیغ ہوں گے۔ تیرے پہلوان جنگ میں قتل ہوں گے۔ اُس کے پھاٹک ماتم اور نوحہ کریں گے، اور وہ اُجاڑ ہو کر خاک پر بیٹھیں گی۔''

(زبور، باب3)

ایک اور فرمان میں جو یسعیاہ نبی کے فرمودات میں سے ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

''تمہارے باپ دادا نے مجھ میں کون سی بے انصافی پائی، جس کے سبب سے وہ مجھ سے دور ہو گئے اور بطلان کی پیروی کرتے ہوئے باطل ہوئے۔''

یہ سوال آج ہم سے بھی ہے۔ ہم نے اللہ تعالیٰ کی کون سی بے انصافی دیکھی تھی کہ اس کے دین سے منحرف ہو گئے اور ہم دین سے اتنے دور جا پڑے ہیں۔ (نعوذ باللہ) اللہ تعالیٰ نے کوئی ظلم کیا ہے، جس کے ردعمل میں ہم اللہ سے اور اس کے دین سے باغی ہوئے بیٹھے ہیں اور باطل قوتوں کی پیروی کر کے باطل نظام، باطل نظریات، باطل ثقافت، باطل کلچر، طاغوت اور ابلیسی نظام کی پیروی شروع کر دی۔

اسی سلسلہ کلام میں آگے الفاظ ہیں:

''میں تم کو باغوں والی زمین میں لایا کہ تم اس کے میوے اور اس کے اچھے پھل کھاؤ، مگر جب تم داخل ہوئے تو تم نے میری زمین کو ناپاک کر دیا اور میری میراث کو مکروہ بنا دیا۔''

یہ الفاظ پڑھتے ہوئے مجھے احساس ہو رہا تھا جیسے یہ پاکستان ہی کا تذکرہ ہو رہا ہے۔ یہ پاک سرزمین

نعمتوں سے بھرپور باغ کی مانند تھی۔ ہم نے اسے ناپاک کر دیا ہے۔ یہ خطۂ زمین اللہ تعالیٰ کی عطا تھی۔ یہ اس کی امانت تھی، جو ہم کو اِس لیے دی گئی تھی کہ اپنے وعدے کے مطابق اِسے اسلام کا گہوارا بنائیں، مگر آج ہم یہ تہیہ کیے بیٹھے ہیں کہ یہاں رب کا نظام نافذ نہیں کریں گے، اس کا قانون یہاں نہیں چلنے دیں گے۔ اس کی بجائے اللہ کے باغی شیطان کا نظام چلائیں گے، اور ہم نے وہ نظام چلا کر دکھا بھی دیا۔ اب بھی اسی کو چلا رہے ہیں۔ ہمارا پورا ثقافتی نظام شیطانی ہے، معاشی نظام شیطانی ہے، لیکن ہمیں اس کا احساس ہی نہیں۔ اِسی لیے تو ہم اللہ کے عذاب کی گرفت میں ہیں۔ بہرکیف ماضی میں بنی اسرائیل کے ساتھ جو سلوک ہوا تھا وہ ہمارے لیے قابل عبرت ہے۔ اُن پر عذاب اُس وقت آیا جبکہ اُن میں نبی موجود تھے، جو انہیں توبہ کی منادی کر رہے تھے، انہیں انجام بد سے خبردار کر رہے تھے، مگر اُن پر اس کا کوئی اثر نہ ہوا۔ آج ہم بھی توبہ کے لیے تیار نہیں ہیں۔ لہٰذا زوال کی کیفیت میں ہیں اور امریکہ کے آگے بچھے ہوئے ہیں۔ امریکہ ''امداد'' کے نام پر ہمیں پریشرائز کر رہا ہے۔ امداد کے کچھ حصے کے بارے میں کہا گیا کہ وہ ہمیں دی جائے گی، زیادہ حصہ تو روک لیا گیا ہے۔ اور جو کچھ دیا جائے گا، وہ بھی مشروط ہوگا۔ سوال یہ ہے کہ امداد مل گئی تو کیا ہو جائے گا۔ ہم تو ہر معاملے میں امریکہ کے سامنے بچھے ہوئے ہیں۔ وہ اپنی سازشوں کے ذریعے پاکستان کو انتہائی کمزور کر چکا ہے۔ افغانستان میں تو اس کا ایجنڈا ناکام ہو گیا ہے کہ وہاں مستقبل طالبان کا ہے، ان شاء اللہ۔ مگر لگتا ہے کہ پاکستان کے اعتبار سے اُس کا ایجنڈا بڑی تیزی کے ساتھ پورا ہو رہا ہے۔ ہم نے وہاں بھی پوری کوشش کی کہ ان کا ایجنڈا پورا ہو، لیکن طالبان جن کی پشت پر امریکہ سے بڑی اللہ کی قوت تھی، انہوں نے اس قوت کا سہارا لیا تھا۔ لہٰذا سرخرو ٹھہرے۔ اِس کے مقابلے میں ہم نے امریکہ کے ایجنڈے کی تکمیل کر کے اپنے آپ کو کمزور کر لیا۔ ہمارا المیہ یہ ہے کہ اللہ کو راضی کرنے اور اُس کا سہارا لینے کو تیار نہیں۔ یہی تباہی اور عذاب کی بنیادی وجہ ہے۔ اللہ ہمیں حق کی پہچان اور اُسے اختیار کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

[مرتب: محبوب الحق عاجز]

مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور کے زیرِ اہتمام

رجوع الی القرآن کورسز

(پارٹ I اور II)

داخلے جاری ہیں

یہ کورسز بنیادی طور پر تعلیم یافتہ افراد کے لیے ترتیب دیے گئے ہیں' تاکہ وہ حضرات جو کم از کم انٹرمیڈیٹ کی سطح تک اپنی دنیاوی تعلیم مکمل کر چکے ہوں اور اب بنیادی دینی تعلیم بالخصوص عربی زبان سیکھ کر فہم قرآن کے حصول کے خواہش مند ہوں' ان کورسز کے ذریعے ان کو ایک ٹھوس بنیاد فراہم کر دی جائے۔ ہفتے میں پانچ دن روزانہ صبح کے اوقات میں تقریباً پانچ گھنٹے تدریس ہوگی۔ ہفتہ وار تعطیل ہفتہ اور اتوار کو ہوگی۔

نصاب (پارٹ I)

1. عربی صرف ونحو
2. ترجمۂ قرآن
3. آیاتِ قرآنی کی صرفی ونحوی تحلیل
4. قرآن حکیم کی فکری وعملی راہنمائی
5. تجوید وناظرہ
6. مطالعۂ حدیث و فقہ العبادات
7. اصطلاحاتِ حدیث
8. اضافی محاضرات

نصاب (پارٹ II)

1. مکمل ترجمۃ القرآن (مع تفسیری توضیحات)
2. مجموعۂ حدیث
3. فقہ
4. اصولِ تفسیر
5. اصولِ حدیث
6. اصولِ فقہ
7. عقیدہ
8. عربی زبان وادب
9. اضافی محاضرات

- اس سال کلاسز کا آغاز 12 ستمبر سے ہوگا
- داخلہ کے خواہشمند خواتین وحضرات 12 ستمبر کو صبح ساڑھے آٹھ بجے انٹرویو کے لیے قرآن اکیڈمی تشریف لائیں
- پارٹ II میں خواتین کی شرکت کا انتظام نہیں ہے

نوٹ: پارٹ I میں داخلے کے لیے انٹرمیڈیٹ پاس ہونا اور پارٹ II میں داخلے کے لیے رجوع الی القرآن کورس (پارٹ I) پاس کرنا لازمی ہے

برائے رابطہ: قرآن اکیڈمی
36-K ماڈل ٹاؤن لاہور
فون: 3-35869501
email:irts@tanzeem. org

ندیم سہیل
0322-4371473
0312-4140589

اسلام کی نشأۃ ثانیہ...... کرنے کا اصل کام

ضمیر اختر خان

اسلام کی نشأۃ ثانیہ واقعی کرنے کا اصل کام ہے لیکن افرادامت فی زمانہ اس کام سے ناواقف ہیں۔ بھلا ہوا انجمن خدام القرآن پشاور کے ذمہ داروں کا کہ انہوں نے ایک علمی وفکری نشست کا اہتمام کر کے اہل پشاور کو اس اہم موضوع پر رہنمائی فراہم کی۔ مہمان مقرر تھے صدر مؤسس مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور محترم ڈاکٹر اسرار احمد رحمۃ اللہ علیہ کے برادر خورد جناب پروفیسر ڈاکٹر ابصار احمد سابق چیئرمین شعبۂ فلسفہ، جامعہ پنجاب اور موجودہ صدر مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور۔ موصوف کی تربیت میں ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ کا بڑا حصہ رہا ہے۔ غالباً انہی کی تجویز پر آپ فلسفہ میں پی ایچ ڈی کرنے کے لیے انگلستان گئے تھے۔ وہاں بھی انہیں اپنے بڑے بھائی ومربی کی مسلسل رہنمائی حاصل رہی۔ ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ جو مشن اپنی زندگی میں اپنائے ہوئے تھے ان کی خواہش تھی کہ اولاً ان کے اپنے رشتہ دار اس میں شامل ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے اُن کی یہ خواہش پوری فرمائی اور ان کا سارا خاندان ماشاء اللہ غلبہ واقامت دین کی جدوجہد میں لگا ہوا ہے۔ جب ڈاکٹر ابصار احمد صاحب پی ایچ ڈی کی تکمیل کے بعد واپس تشریف لائے اور اپنے مربی کی خواہش کے عین مطابق ان کے مشن میں ان کے دست وبازو بنے تو ڈاکٹر صاحب مرحوم ومغفور نے تحدیث نعمت کے طور پر اس خوشی میں دوسروں کو بھی شریک کیا۔ ایک دفعہ فرمایا: مجھے اپنے اس بھائی (ابصار احمد) کے بارے میں بڑے اندیشے تھے کہ کہیں فلسفہ پڑھتے پڑھتے میرے ہاتھ سے ہی نہ نکل جائے مگر اللہ کا شکر ہے کہ وہ مغرب کے ماحول میں اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے بعد بھی دین اسلام کی حقانیت کے نہ صرف قائل اور اس پر عامل رہے بلکہ اس کے غلبے اور قیام کے لیے اب وہ میرے معاون ہیں۔ (روایت بالمعنی)

آج پروفیسر ڈاکٹر ابصار احمد ماشاء اللہ اپنے بھائی جان ومحسن ومربی کے جاری کردہ مشن میں اپنی بہترین صلاحیتیں لگا رہے ہیں۔ اسی ضمن وہ پشاور تشریف لائے اور اپنے بھائی جان کے ایک مختصر مگر جامع کتابچے ''اسلام کی نشأۃ ثانیہ۔ کرنے کا اصل کام'' پر علمی وفکری انداز میں مدلل لیکچر دیا۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے موصوف جامعہ پنجاب کے کسی لیکچر ہال میں شعبۂ فلسفہ کے پروفیسر حضرات اور پی ایچ ڈی کے منتہی طلبہ کو لیکچر دے رہے ہوں۔ ہم جیسے فلسفے کی ابجد سے ناواقف لوگوں کو بھی ڈاکٹر صاحب نے بہرحال محروم نہیں رکھا۔ اللہ ان کو بھرپور جزائے خیر عطا فرمائے۔ انہوں نے بتایا کہ متذکرہ کتابچے کی اہمیت اور دور حاضر میں اس کی ضرورت کے پیش نظر انہوں نے اس کا انگریزی ترجمہ کر ڈالا تھا۔ انہوں نے یہ بھی انکشاف کیا کہ اس کا ایک اور ترجمہ ڈاکٹر احمد افضال نے تشریح (Commentary) کے ساتھ مکمل کرلیا ہے۔ امید ہے کہ اس سے جدید پڑھے لکھے لوگ استفادہ کر سکیں گے۔ اسلام کی نشأۃ ثانیہ کے آرزومند اہل ایمان کے لیے ضروری ہے کہ پہلے وہ اسلام کی نشأۃ اولیٰ کے بارے میں آگاہی وشعور حاصل کریں۔ اس سے وہ طریق کار سمجھ میں آئے گا جس کو اختیار کرنے ہی سے نشأۃ ثانیہ کا خواب شرمندۂ تعبیر ہو سکے گا۔ اس ضمن میں ایک حدیث نبوی میں خود آپؐ نے فرمایا ہے کہ ((لا یصلح أخر ھذہ الامۃ الا بما صلح بہ اولھا)) یعنی ''اس امت کے آخری عہد کی اصلاح نہیں ہو سکے گی بجز اس طریقے کے جس سے کہ پہلے عہد نے اصلاح پائی تھی۔'' وہ طریق مولانا ابوالکلام آزاد کے الفاظ میں ''اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ قرآن حکیم کے اصلی وحقیقی معارف کی تبلیغ کرنے والے مرشدین صادقین پیدا کیے جائیں''۔ (البلاغ، جلد اول، شمارہ اول مورخہ 12 نومبر 1915ء)۔

اسلام کی نشأۃ اولیٰ نبی ﷺ کی قیادت ورہنمائی میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ذریعے ہوئی تھی، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ آپؐ نے دعوت ایمان دی جس پر اس معاشرے کے سلیم الفطرت افراد نے لبیک کہا۔ نبی اکرم ﷺ نے ایسے تمام افراد کا تزکیہ کیا اور نتیجتاً ان کے اندر ایمان راسخ ہوتا چلا گیا۔ اولین ایمان لانے والوں میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ جیسے عبقری لوگ شامل تھے جنہوں نے ''مرشدین صادقین'' کا کردار ادا کیا۔ اگرچہ انہی کے ساتھ غلاموں کے طبقے سے تعلق رکھنے والے لوگ بھی ایمان لائے تھے جنہوں نے صبر واستقامت کی اعلیٰ مثالیں قائم کیں اور ان کی زندگیاں بھی اہل ایمان کے لیے مشعل راہ ہیں لیکن جن لوگوں نے کلیدی کردار (leading role) ادا کیا وہ بہرحال وہ لوگ تھے جن کو ڈاکٹر اسرار احمد رحمہ اللہ ذہین اقلیت (Intellectual Minority) سے تعبیر کرتے ہیں۔ انہی لوگوں میں سے تھے حضرات ابوبکر، عمر بن خطاب، عثمان بن عفان، علی بن ابی طالب، عبدالرحمٰن بن عوف وغیرھم رضی اللہ عنھم اجمعین جو اسلام کی نشأۃ اولیٰ کے دوران ہراول دستے کا کام کرتے رہے۔ یہ وہ لوگ تھے جو علم وعمل کے پیکر ہونے کے ساتھ ساتھ اعلیٰ قائدانہ صلاحیتوں کے بھی مالک تھے۔ انہی کی جدوجہد کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ کا وعدہ پورا ہوا اور اہل ایمان کو استخلاف فی الارض نصیب ہوا۔

نبی اکرم ﷺ کے وصال کے بعد جب قیادت انہیں ملی تو انہوں نے اس کا حق ادا کیا۔ ان کا دور جو اسلام کے غلبے کا دور ہے جسے خلافت راشدہ یا خلافت علی منہاج النبوۃ کا دور بھی کہہ سکتے ہیں اسلام کا سنہری دور ہے۔ ان حضرات کا خاصہ یہ تھا کہ انہوں نے قرآن مجید فرقان حمید کو اپنی شخصیات میں ایسا رچایا بسایا کہ اس کا نور ہدایت ان کے رگ وپے حتیٰ کہ ریشے ریشے میں سرایت کر گیا۔ اس کے الفاظ ان کے حافظے میں، اس کا علم ان کے ذہن میں اور اس کی تعلیمات ان کے اخلاق وعادات اور سیرت وکردار میں محفوظ ہو گئیں۔ اس کردار کے حاملین کے ذریعے اسلام کی نشأۃ اولیٰ ہوئی تھی اور لگ بھگ بتیس (32) سال تک اسلام کا عادلانہ نظام اپنی آئیڈیل صورت میں قائم رہا۔ اس کے بعد بھی دنیا میں ایک عرصے تک اپنی بہاریں دکھاتا رہا۔ صرف اس کی چوٹی متاثر ہوئی بایں معنیٰ کہ حکومتی مناصب پر لوگ اس معیار کے نہ رہے جیسے خلفائے راشدین تھے اور منصب خلافت کا نصب وعزل شورائیت کی بجائے

موروثیت میں بدل گیا۔ خلافت کی جگہ ملوکیت نے لے لی۔ خلافت علیٰ منہاج النبوۃ کی بجائے ملکاً عاضاً (کٹ کھنی بادشاہت) کا دور شروع ہوا۔ تاہم اسلام کا عدالتی نظام، معاشی نظام، سماجی نظام، اخلاقی و روحانی نظام، تعلیم و تربیت کا نظام اور عسکری نظام تک سارے شعبہ ہائے زندگی اسلام کے اصولوں سے ہم آہنگ تھے۔ اس دوران روئے ارضی کے ایک بڑے حصے پر مسلمانوں کا دین و مذہب، ان کی تہذیب و تمدن، ان کے علوم و فنون اور ان کی شان و شوکت کا سکہ رواں رہا۔ لیکن جیسے جیسے دنیوی جاہ و جلال میں اضافہ ہوا، جذبات دینی اور حرارت ایمانی میں کمی آتی چلی گئی اور اس طرح مسلمانوں کے اقتدار کا تناور درخت اندر سے کھوکھلا ہوتا چلا گیا۔ رہی سہی کسر ملکاً جبریاً (جابرانہ بادشاہت) کے زیر تسلط آنے سے پوری ہوگئی اور مسلمان مکمل طور پر زوال سے دوچار ہوگئے۔ نتیجتاً اسلام بطور نظام زندگی کسی خطۂ زمین میں قائم نہ رہا۔ استعماری طاقتوں نے پورے عالم اسلام کو اپنے آہنی شکنجے میں کس لیا۔ یہ طاقتیں چونکہ مغرب سے اٹھی تھیں، اس لیے یہ مغربی استعمار کہلایا۔

قسمت کے کھیل بھی عجیب ہیں کہ مغرب میں احیاء العلوم کا پورا عمل اسلام ہی کے زیر اثر شروع ہوا اور یہ مسلمان ہی تھے جنہوں نے مغربیوں کو علوم و فنون سے روشناس کرایا لیکن جیسے ہی مغرب میں بیداری ہوئی اور وہاں قوت کا دباؤ بڑھا، گویا عالم اسلام کی شامت آگئی۔

ڈاکٹر صاحب مرحوم و مغفور نے اسلام کی نشأۃ ثانیہ کرنے کا اصل کام سے پہلے نہایت جامعیت اور اختصار سے مغربی فکر و فلسفے کا جائزہ پیش کیا ہے جس کا لب لباب یہ ہے کہ اس وقت پورے عالم میں مغربی فکر و فلسفۂ حیات کا غلبہ ہے۔ اس فکر کی اٹھان چونکہ دین و مذہب سے ہٹ کر ہے اس لیے اس کی بنیادوں میں نری مادیت (Materialism) ہے۔ اس میں خدا کی جگہ کائنات نے لے لی ہے، آخرت کی بجائے دنیا ہی سب کچھ ہے اور روح نہیں مادہ اصل ہے۔ اس فلسفے کے نزدیک جو کچھ انسانی حواس خمسہ کی گرفت میں آسکتا ہے وہ حقیقت ہے اور جو کچھ ان سے ماوراء ہے وہ محض وہم و خیال ہے، اس لیے اس کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔ اس فکر کا مقابلہ تو خدائی نظام ہی کر سکتا تھا لیکن وہ مسلمانوں کی نالائقی کی وجہ سے قائم نہیں تھا، اس لیے اس فکر نے ڈیڑھ دو سو سالوں میں اپنے قدم زمین پر ایسے جمائے کہ اس کے حاملین نے کائنات و مادے کو تحقیق و جستجو کا موضوع بنایا اور ایسے ایسے انکشافات کیے اور ایجادات و اختراعات کے وہ حیرت انگیز مظاہرے کیے کہ جس نے مغرب کو بڑی قوت بنا دیا۔ ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

”فطرت کی ان نو تسخیر شدہ قوتوں سے مسلح ہو کر مغرب جب مشرق پر حملہ آور ہوا تو دیکھتے ہی دیکھتے ایک سیلاب کی مانند پورے کرۂ ارضی پر چھا گیا۔۔۔ اس سیلاب کا اولین شکار چونکہ مشرق قریب اور مشرق وسطیٰ تھے جہاں مسلمان آباد تھے۔ لہٰذا اس کی سخت ترین یورش اسلام اور اہل اسلام پر ہوئی اور چند ہی سالوں کے اندر اندر پورا عالم اسلام یورپ کے زیر نگیں ہوگیا“۔ مزید براں ”اپنے سیاسی تسلط کو مستحکم کرتے ہی یورپ نے دنیائے اسلام میں اپنے افکار و نظریات کا پرچار اور اپنے نقطۂ نظر اور طرز فکر کی تبلیغ یعنی ذہنی و فکری تسخیر کا سلسلہ بھی شروع کر دیا“۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ مسلمانوں میں بھی مادہ پرستانہ طرز فکر سرایت کرتا چلا گیا۔ اگرچہ اس دوران مدافعت کی کچھ کوششیں بھی ہوئیں مگر خاطر خواہ کامیابی نہ ہوسکی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ مغربی فکر کا حملہ اتنا ہمہ گیر تھا کہ اس کے خلاف صف آراء قوتیں خود اس کے اثرات سے محفوظ نہیں تھیں۔ تھوڑی بہت کامیابی اگر ہوئی تو صرف اس طرز فکر کو ہوئی جس نے اس سیلاب بلاخیز کے راستے سے ہٹ کر ایمان کی حفاظت کا بندوبست کیا، جس سے امت کے ایک حصے کا ایمان بھی سلامت رہ گیا اور قال اللہ و قال الرسول کی صداؤں میں دین و شریعت کا ڈھانچہ بھی محفوظ رہ گیا۔

بیسویں صدی عیسوی میں بعد از خرابیٔ بسیار عالم اسلام میں احیائی تحریکیں شروع ہوئیں۔ ان سب میں ایک چیز مشترک نظر آتی ہے وہ یہ کہ اسلام پر بطور نظام زندگی غور و فکر کا آغاز ہوا۔ ادھر مسلمان ممالک میں جب آزادی کی تحریکیں شروع ہوئیں تو ان میں بھی مذہبی جذبات کو اپیل کیا گیا جس سے احیائے اسلام کے تصور کو تقویت پہنچی۔ احیائے اسلام کی یہ تحریکیں اب تک اپنی منزل کے حصول کے لیے کوشاں ہیں مگر منزل ہنوز دلی دور است والا معاملہ ہے۔ ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ کا موقف یہ ہے کہ ”ان تحریکوں کا مطالعۂ اسلام اسی مغربی نقطۂ نظر پر مبنی ہے جس میں روح پر مادے اور حیات اخروی پر حیات دنیوی کو فوقیت حاصل ہے“۔ جبکہ احیائے اسلام کی شرط لازم ایمان ہے اور ایمان کا حاصل یہ ہے کہ اللہ انسان کی ترجیح نمبر ایک قرار پائے۔ اسی طرح حیات اخروی کی کامیابی مقدم اور حیات دنیوی مزرعۃ الآخرۃ سے زیادہ اہمیت کی حامل نہ بنے۔ اسلام کی نشأۃ ثانیہ کرنے کا اصل کام، میں ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ نے انہی خطوط پر احیائی عمل کو استوار کرنے کے لیے ایک جامع لائحۂ عمل پیش کیا اور مقدور بھر بلکہ اس سے بھی زیادہ بیماری، ضعف پیری اور دگرگوں حالات میں اس پر خود عمل پیرا ہونے کی زندگی بھر سعی و جہد کرتے رہے۔ چنانچہ منبع ایمان اور سرچشمۂ یقین، قرآن حکیم کے علم و حکمت کی وسیع پیمانے اور اعلیٰ علمی سطح پر تشہیر اور اشاعت کے ذریعے امت مسلمہ کے فہیم عناصر میں تجدید ایمان کی عمومی تحریک کا مظہر انجمن خدام القرآن لاہور سے انہوں نے کام کا آغاز کیا جو دیکھتے ہی دیکھتے ماشاء اللہ پورے ملک میں پھیل گیا۔ اس ضمن میں ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ نے دوسرا قدم یہ اٹھایا کہ غلبہ و اقامت دین کی جدوجہد کے لیے ایک جماعت کی بنیاد رکھی جس کے ذریعے احیائے اسلام کی راہیں ہموار ہوں گی۔ احیائے اسلام کی تکمیل نظام خلافت کا قیام ہے۔ اس کے لیے پاکستان کے طول و عرض کے علاوہ پوری دنیا میں آپ نے پکار لگائی اور آج اللہ کے فضل و کرم سے عالمی ذرائع ابلاغ میں آپ کی پہچان قرآن کے داعی کے ساتھ ساتھ احیائے خلافت کے داعی کے حوالے سے بھی ہو رہی ہے۔ مستقبل کا مؤرخ جب احیائے اسلام کے حوالے سے تاریخ لکھے گا تو ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ کا نام ان شاء اللہ ایک مجدد کے طور پر تحریر کرے گا۔

ڈاکٹر صاحب مرحوم و مغفور نے اقامت دین کے راستے کا انتخاب علیٰ وجہ البصیرت کیا تھا۔ وہ چاہتے تو قرآن کی جدید و سائنسی انداز میں بڑی زبردست تفسیر لکھ کر عالمی شہرت حاصل کر لیتے اور یہ بھی ایک دینی کام ہوتا۔ جدید تعلیم کی وجہ سے جو بصیرت (Vision) اللہ نے آپ کو دی تھی اس کو بروئے کار لاتے ہوئے آپ مغربی فکر کی گمراہیوں کے تار و پود بکھیر سکتے تھے اور بہت بڑے ناقد بن کر ابھر سکتے تھے مگر آپ نے شعوری طور پر سب سے اعلیٰ نصب العین یعنی اللہ کی رضا کا حصول بذریعہ غلبہ و اقامت دین کا تعین کر کے تاریخ میں بلند مقام حاصل کر لیا ہے۔

تنظیم اسلامی کا پیغام
نظام خلافت کا قیام

بچوں کو مار سے نہیں، پیار سے پڑھائیں

حافظ منشی عبدالغفور

قدیم زمانے سے ہی چھڑی کو طلبہ کی تعلیم وتربیت کا کارگر ذریعہ سمجھا جارہا ہے جس کے آگے شریر سے شریر اور شریف سے شریف تر بچہ کو بھی سرنگوں ہونا پڑتا ہے۔ چھڑی کے کچھ فائدے اور مثبت پہلو ضرور ہیں لیکن کثرتِ استعمال سے اس کے مثبت پہلو سے کہیں زیادہ مضر اور منفی پہلو اپنے پیر نہایت مضبوطی سے جما لیتے ہیں جو کہ بچہ کی سَرِشت پر اثر انداز ہوکر نقصان دہ ثابت ہوتے ہیں۔ دیکھا گیا ہے کہ بار بار کی پٹائی سے بچہ مار کھانے کا خوگر ہو جاتا ہے۔ پھر مار اس کے لیے کوئی شرم و عار کی چیز نہیں رہ جاتی۔ مار پیٹ سے بچوں میں ہٹ دھرمی، بدمزاجی، بدخلقی، نفرت وکدورت اور نافرمانی جیسی رذیل عادتیں پیدا ہو جاتی ہیں۔ یہی نہیں وہ اِنتقامی جوش وخروش کے نشہ میں چور ہوکر دست درازی پر اتر آتے ہیں۔ پھر ایسے اساتذہ اور مربیوں کی ناصحانہ باتیں ماننا تو درکنار، سننے کے لیے بھی تیار نہیں ہوتے۔ بعض بچے طبیعت اس قدر کے حساس ہوتے ہیں کہ پٹائی کی وجہ سے ذہنی امراض اور دماغی خلجان میں مبتلا ہوکر ترکِ تعلیم ہی کر بیٹھتے ہیں اور بہت سے حد سے گزری ہوئی مار کی تاب نہ لاکر فراری اور لاپتہ ہوجانے کی راہ اختیار کرلیتے ہیں۔ پھر ان کی تلاش وجستجو میں والدین کو سرگرداں ہونا پڑتا ہے۔ بسا اوقات بچہ چھڑی کے بے جا استعمال سے جسمانی طور پر مجروح ہوکر خود تو بے قرار و مضطرب ہوتا ہی ہے، استاد اور سرپرستوں کے لیے بھی دردسر بن جاتا ہے۔ یہ صورتِ حال بچہ کی جسمانی نشوونما اور اعضائے رئیسہ کی بالیدگی کو بھی متاثر کرتی ہے۔ غبی اور کمزور ذہن وحافظہ کے نادار، یتیم ولاوارث بچے مار دھاڑ سے گھبرا کر احساسِ محرومی کا شکار ہوکر تعلیم سے برگشتہ اس لیے بھی ہوجاتے ہیں کہ اُن کی نظر میں کوئی اُن کا پرسانِ حال اور آنسو پونچھنے والا نہیں ہوتا۔ ایسے بچوں کو سزا دینے سے پہلے قدرے تامل کرلیا جائے، تاکہ بعد میں کفِ افسوس نہ ملنا پڑے۔ ﴿فَاَمَّا الْیَتِیْمَ فَلَا تَقْهَرْ﴾ (یتیم پر زیادتی نہ کرو) کو مدنظر رکھتے ہوئے ایسے بچوں کے ساتھ، پدرانہ پیار وشفقت کا برتاؤ رکھا جائے۔ بعض مقامات پر تو مدارس میں ''مار نہیں۔ پیار'' جیسے مضامین و معانی کی تختیاں آویزاں کردی گئی ہیں جس سے ممکنہ حد تک اصلاحات ہورہی ہیں۔ بہرحال بچوں کو حد سے بڑھ کر زدوکوب کرنا دورِ حاضر میں غیر مؤثر تو ہوتا ہی ہے لیکن اتنا نافع بھی نہیں جتنا کہ مُضر نظر آتا ہے۔

چونکہ اُستاد اور شاگرد کا رشتہ نہایت مہذب، مستحکم اور مقدس ومشفقانہ ہوتا ہے اس لیے کہ استاد کی طرف سے شفقت ومروت کا اظہار شاگرد کو خود اعتمادی طمانیت وانبساط اور فکر وناز کا احساس وحوصلہ دلاتا ہے۔ معلم وہی کامیاب ہے جو بچوں کے دل ودماغ میں اپنی حکمت و دانائی سے شوق ولگن اور تعلیمی طلب پیدا کرے۔ غصہ اور مار کی وجہ سے بعض اساتذہ کی ہیبت اس قدر ہوجاتی ہے کہ بچے کسی درجہ میں زبان کھولنے اور سبق میں کچھ پوچھنے کی جرأت بھی نہیں کرپاتے۔ ایسی حالت میں حصول علم میں پختگی کماحقہ نہیں ہوپاتی۔ غصہ ویسے بھی ظلم اور ناانصافی کو شہ دیتا ہے۔ اس لیے بحالت غصہ بچہ کو کبھی نہ ماریں۔ جہاں تک ہوسکے پند ونصائح سے کام چلائیں۔ بعد فہمائش بھی اگر اصلاح پذیر نہ ہو تو تحقیق وتفتیش کے بعد سزا اس کے مزاج، جسمانی قوتِ برداشت اور باعتبار قصور ہی دیں۔ جرم خفیف اور ادنیٰ تقصیرات کی پاداش کو زبانی تاکید وتنبیہ یا پھر گوشمالی تک محدود رکھیں۔ مناسب جانیں تو نظر انداز کردیں۔ سزا دینے میں غایت درجہ احتیاط برتیں۔ حد سے تجاوز اور موٹی لکڑی کا استعمال ہرگز نہ کریں، بلکہ ایسی چیز کا انتخاب کریں جس سے بچے کو اذیت کم سے کم پہنچے۔ ایسے ہی زیادہ دیر تک کان نہ پکڑوائیں۔ بوقت سزا بچہ کے نازک اعضاء سر، ناک، کان، آنکھ، چہرہ وغیرہ کے بچاؤ کا ((ولا تضرب الوجه)) کے پیش نظر خیال رکھیں۔ مجرم کو پہلے اس کے جرم وقصور کا احساس دلائیں، بحکمت اعترافِ جرم کرائیں، اور آئندہ اس طرح کی غلطی نہ کرنے کا وعدہ بھی لیں، بعدہٗ سزا مناسب ہی دیں۔ الحاصل، یہ سوچ کر پڑھائیں کہ تدریس ہمارا پیشہ ہی نہیں ملی اور اخلاقی فریضہ بھی ہے۔

معلم اور مربی بچہ کی کسی بھی طرح کی ناکامی، کوتاہی یا خامی کا اظہار سرِ عام نہ کریں، نہ ہی مضحکہ اُڑائیں۔ طعن وتشنیع سے بھی بچا جائے۔ ایسے نام سے پکاریں جس کو وہ پسند کرتا ہو، بصورتِ دیگر بچہ کے جذبات کو ٹھیس پہنچتی ہے جو اُسے بغاوت کرنے تک اُکساتی ہے۔ نرم وگرم لب ولہجہ کی گفتگو بچہ خوب سمجھتا ہے۔ تلخ اور نادرست کلام سن کر بچہ ہی کیا حلیم سے حلیم تر شخص بھی مشتعل ہوکر بھڑک اُٹھتا ہے۔ اُستاد اپنے شاگرد کے مستقبل کا معمار ورہنما نیز اخلاق واطوار کا ضامن ہوتا ہے۔ اس لیے مدرسین حضرات بچوں کے ساتھ ترش روئی، بدکلامی اور استہزا وغیرہ سے ہمیشہ اجتناب کریں۔ ضروریاتِ واجبی کا خیال رکھیں۔ بات بات پر ناراض ہونے والے استاد کو بچے اچھی نظر سے نہیں دیکھتے بلکہ رعب وخوف اور ادب واحترام جو اُن کے دل میں ہوتا ہے وہ بھی رخصت ہوجاتا ہے۔ ماہرین تعلیم وتربیت اور بچوں کی نفسیات کے شناسا حضرات کا تجربہ ہے کہ بچہ کو لمبا سبق یا ایسا کوئی کام نہ سونپا جائے جو اُس کی بساط سے باہر ہو۔ ایام تعطیل میں بھی تعلیم وتعلم میں مصروف رکھا جائے۔ موقع موقع سے سبق آموز لطائف ومزاح میں بھی کچھ حرج نہیں۔ بچوں کو تعلیم کی راہ پر رکھنے میں توصیفی کلمات بھی مفید ہیں۔ ایک بچہ کو دوسرے بچہ پر بالمشافہ فوقیت نہ دیں۔ استاد بچوں کے سامنے اپنے اقوال وافعال، سیرت وکردار سے مثالی استاد اور فرض شناسی کا نمونہ بن کر رہے۔ سرزنش زیادہ سخت بہتر نہیں۔ ڈانٹ ڈپٹ میں بھی پیار کی آمیزش ہو۔ طلبہ اور تلامذہ کی ناشائستہ حرکات پر صبر وضبط اور درگزر سے کام لینا بھی استاد کے لیے بڑی سعادت مندی ہے ۔

اُستاد پہ لازم ہے سعادت مندی
کم ظرفیٔ شاگرد کوئی عیب نہیں

(باقی صفحہ 16 پر)

خطبہ پنجم: سیرت النبیؐ میں باطل سے تصادم کے تکمیلی مراحل

تصادم کے آخری مرحلہ مسلح کشمکش کا آغاز

غزوۂ بدر (II)

بانی تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد رحمہ اللہ علیہ کا فکر انگیز خطاب

جس روز جنگ ہوئی اُس سے ایک رات قبل خبر پہنچ گئی کہ ابوسفیان کا قافلہ بچ کر نکل گیا ہے۔ اب کفارِ قریش کے ہاں چہ میگوئی شروع ہوئی کہ اب جنگ کا کیا فائدہ ہے؟ ہم تو اپنے قافلہ کی حفاظت کے لیے آئے تھے۔ اس صورت حال سے مشتعل مزاج لوگوں (Hawks) کے مقابلہ میں صلح جُو (Doves) کے ہاتھ میں ایک مرتبہ پھر ایک دلیل آ گئی کہ ہمارا مقصد تو قافلہ کی حفاظت تھا، قافلہ بچ کر نکل گیا، پھر جنگ کی کیا ضرورت ہے؟ چنانچہ قریش کے دو گھرانے بنو زہرہ اور بنو عدی یہ کہہ کر لشکر کو چھوڑ کر چلے گئے کہ اب ہمیں جنگ کرنے کی کوئی ضرورت محسوس نہیں ہوتی۔ اس موقع پر حکیم بن حزام عتبہ کے پاس گئے جو اس لشکر کا سپہ سالار تھا اور اس سے کہا: عتبہ! تم اس وقت نیکی کا ایک ایسا کام کر سکتے ہو کہ تاریخ میں تمہارا نام لکھا جائے کہ تم نے بہت بڑا کام کیا۔ عتبہ کے استفسار پر انہوں نے وہی تجویز رکھی کہ ہمارا قافلہ بچ کر نکل چکا ہے، اب اس ہونے والی خونریزی کو تم روک سکتے ہو۔ عمرو بن عبداللہ الحضرمی کا باپ عبداللہ حرب بن اُمیہ کا حلیف تھا۔ اگر تم اس کی دیت یا خون بہا ادا کر دو تو وہ مسئلہ بھی ختم ہو جائے گا۔ قافلہ بچ کر نکل ہی چکا ہے۔ اس طرح جنگ کی ضرورت نہیں ہوگی۔ عتبہ بن ربیعہ نے اس کی تائید کرتے ہوئے کہا کہ بہت مناسب تجویز ہے۔ وہ خود اسی مزاج کا آدمی تھا۔ لیکن اصل میں Hawks کے سرغنہ ابوجہل کو سمجھانا مقصود تھا۔ چنانچہ دونوں اس کے پاس گئے اور اسے قائل کرنے کی کوشش کی۔ عتبہ نے کہا کہ دیکھو خونریزی کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ ہمارا قافلہ بچ کر چلا گیا ہے، عمرو کا خون بہا میں ادا کر دیتا ہوں۔ مگر جنگ کو ٹالنے کی کوئی بھی تجویز ابوجہل گوارا نہیں کر سکتا تھا۔ لہٰذا اُس نے چالاکی سے ایک تو عتبہ کو بزدلی کا طعنہ دیا کہ تم اپنے بیٹے کو سامنے دیکھ کر گھبرا گئے ہو (یاد رہے کہ عتبہ کے بڑے بیٹے حضرت ابوحذیفہ رضی اللہ عنہ حضور ﷺ کے ساتھ تھے، جو سابقون الاولون میں سے تھے، جبکہ عتبہ کا دوسرا بیٹا اس کے ساتھ تھا)۔ ابوجہل نے مزید نمک پاشی کرتے ہوئے کہا: معلوم ہوتا ہے کہ محبتِ پدری تمہیں بزدل بنا رہی ہے کہ بیٹا مدمقابل ہے، اسی لیے تم جنگ ٹالنا چاہتے ہو۔ عتبہ اِس طعنہ کو برداشت نہ کر سکا۔ اُس نے کہا کل کا دن بتا دے گا کہ بزدل کون ہے!

دوسری جانب ابوجہل نے عمرو بن عبداللہ الحضرمی کے بھائی کو بلایا اور اس سے کہا کہ دیکھو ہم تمہارے بھائی کے خون کا بدلہ کل لے سکتے ہیں، لیکن یہ صلح پسند لوگ آئے ہیں اور چاہتے ہیں کہ جنگ نہ ہو۔ یہ سن کر اُس شخص نے عرب جاہلیت کے دستور کے مطابق اپنے کپڑے پھاڑے، بالکل عریاں ہو گیا اور شور مچا دیا:

وَاعَـمـرواہ، وَاعمرواہ۔ اسے قبائلی زندگی میں خونی پکار کہتے ہیں اور یہ سب سے زیادہ مشتعل کرنے والا نعرہ ہوتا ہے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ پورے لشکر میں آگ سی لگ گئی اور جنگ کا فیصلہ ہو گیا۔ یوں صلح جُو لوگوں (Doves) کی جانب سے جنگ کو ٹالنے کی آخری کوشش بھی ناکام ہو گئی۔

اگلی صبح جب دونوں لشکر آمنے سامنے ہوئے تو سب سے پہلے عتبہ اپنے بھائی شیبہ اور اپنے بیٹے ولید کو لے کر نکلا اور مبارزت طلب کی۔ اہل ایمان کے لشکر سے تین انصاری صحابی رضی اللہ عنہم مقابلہ کے لیے نکلے۔ عتبہ نے چیخ کر پوچھا: ”مَنْ اَنْتُمْ؟ مَنِ الْقَوْمُ؟“ —— انہوں نے اپنے نام بتائے۔ عتبہ نے کہا کہ تم ہمارے برابر کے نہیں ہو، ہم تم سے لڑنے نہیں آئے۔ پھر چیخ کر پکارا: محمد (ﷺ) ہماری توہین نہ کرو، ہم ان کاشت کاروں سے لڑنے کے لیے نہیں آئے ہیں۔ ہمارے مقابلے کے لیے انہیں بھیجو جو ہمارے برابر کے ہیں، جو ہمارے مدمقابل ہیں۔ ایک روایت میں آتا ہے کہ اس موقع پر باپ کے مقابلہ میں بیٹا یعنی عتبہ کے مقابلے میں حضرت ابوحذیفہ رضی اللہ عنہ نے نکلنا چاہا، لیکن نبی اکرم ﷺ نے انہیں روک دیا۔ پھر تین صحابی حضرت حمزہ، حضرت علی اور حضرت عبیدہ بن حارث بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہم مقابلہ کے لیے نکلے۔ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے عتبہ کو اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے شیبہ کو جلد ہی واصل جہنم کر دیا، لیکن حضرت عبیدہ رضی اللہ عنہ کا ولید بن عتبہ سے شدید مقابلہ ہوا۔ دونوں کا بیک وقت ایک دوسرے پر کاری وار ہوا۔ حضرت عبیدہ رضی اللہ عنہ کی ٹانگیں کٹ گئیں اور وہ گر پڑے تو حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ آگے بڑھے، ولید کو ختم کیا اور حضرت عبیدہ رضی اللہ عنہ کو جو جان بلب تھے، اُٹھا کر لے آئے۔ انہوںؓ نے کہا مجھے نبی اکرم ﷺ کے قدموں میں لے چلو۔ وہاں پہنچ کر انہوں نے حضور ﷺ سے عرض کیا کہ میرے متعلق فرمایئے۔ حضور ﷺ نے فرمایا: ”تمہیں یقیناً جنت ملے گی“ تو ان کے چہرہ پر بشاشت آئی اور ان کی زبان سے نکلا ”کاش! آج ابوطالب زندہ ہوتے تو دیکھتے کہ میں نے ان کی بات سچ کر دکھائی ہے کہ اپنی جان حضور ﷺ پر نچھاور کر دی ہے“۔ بات یہ تھی کہ جب مشرکین مکہ کا ابوطالب پر شدید دباؤ پڑتا تھا کہ تم اور بنو ہاشم محمد (ﷺ) کی حمایت سے دست کش ہو جاؤ، تاکہ ہم ان سے نمٹ لیں یعنی (نعوذ باللہ) آپؐ کو قتل کر دیں تو عام طور پر ابوطالب اُس وقت ایک شعر پڑھا

> میدانِ بدر میں باقاعدہ اور دُوبدو جنگ کی صورت میں
> اندرونِ عرب انقلابِ محمدیؐ کے آخری مرحلہ
> یعنی مسلح کشمکش (Armed Conflict) کا آغاز ہو گیا

کرتے تھے جس کا ترجمہ کچھ یوں ہے کہ: ”تم محمد (ﷺ) پر اُس وقت تک قابو نہیں پاسکو گے جب تک ان کی حفاظت میں ہمارا بچہ بچہ کٹ نہ مرے گا۔“

حضرت عبیدہ رضی اللہ عنہ کا انتقال میدانِ بدر میں نہیں ہوا بلکہ فتح کے بعد جب اسلامی لشکر مدینہ منورہ واپس جارہا تھا تو راستہ میں اُن کا انتقال ہوگیا۔ چنانچہ ان کی قبر میدانِ بدر سے آگے مدینہ منورہ کے راستے میں ہے۔

بہرحال 17 رمضان المبارک 2 ہجری میں میدانِ بدر میں باقاعدہ اور دُو بدو جنگ کی صورت میں اندرونِ عرب انقلابِ محمدی (علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام) میں تصادم کے آخری مرحلہ یعنی مسلح کشمکش (Armed Conflict) کا آغاز ہوگیا۔ اس غزوہ میں قریش کے سرکردہ لوگوں میں سے ابوسفیان اور ابولہب کے علاوہ باقی قریباً تمام ہی کھپ رہے۔ واضح رہے کہ ابوسفیان چونکہ تجارتی قافلے کے ہمراہ تھے، لہٰذا وہ اس جنگ میں شریک نہیں ہوئے تھے۔ اسی طرح ابولہب بھی جنگ میں شریک نہیں تھا اور اُس نے اپنی جگہ کرائے کا فوجی بھیج دیا تھا۔ قریش کے کل ستر سربرآوردہ لوگ قتل ہوئے۔ ابوجہل جہنم واصل ہوگیا۔ عتبہ بن ربیعہ، اس کا بھائی اور بیٹا قتل ہوئے۔ اسی طرح نضر بن حارث، اُمیہ بن خلف، عقبہ بن ابی معیط جیسے مشرکین جو نبی اکرم ﷺ اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کے خون کے پیاسے تھے، گاجر مولی کی طرح کاٹ کر رکھ دیئے گئے۔ مزید یہ کہ ستر مشرکین کو اہل ایمان نے قید بھی کرلیا۔ مسلمانوں کی جماعت میں سے میدان بدر میں تیرہ حضرات نے جام شہادت نوش کیا اور حضرت عبیدہؓ جو زخمی تھے، واپسی کے سفر کے دوران راستے میں انتقال فرما گئے۔ اسی طرح صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی طرف سے چودہ افراد نے اپنے رب کے حضور جان کا نذرانہ پیش کردیا۔ ابوجہل نے کہہ دیا تھا کہ یہ یوم الفرقان ہوگا۔ اللہ نے فی الواقع اُسے یوم الفرقان بنادیا۔ 313 نہتے اہل ایمان کو 1000 کے مسلح لشکر پر فتح عطا فرمائی۔

غزوۂ بدر تصادم کے آخری مرحلہ مسلح کشمکش کا آغاز تھا۔ یہاں سے پھر وہ جنگی سلسلہ شروع ہوا جو چھ سال کو محیط ہے۔ اس میں حق و باطل کے درمیان کئی معرکے ہوئے۔ (جاری ہے)

☆☆☆

انجمن خدام القرآن (قرآن اکیڈمی) سندھ کراچی

کے تحت

داعیٔ قرآن ڈاکٹر اسرار احمد رحمۃ اللہ علیہ کے جاری کردہ

قرآن فہمی کورس پارٹ I اور II

میں سال 12-2011ء کے لیے داخلوں کا اعلان

جدید تعلیم یافتہ حضرات و خواتین کے لیے علومِ دینیہ کی تحصیل کا نادر موقع!

پارٹ I
- علم تجوید
- دورۂ ترجمۂ قرآن
- آسان عربی گرامر
- مطالعۂ حدیث
- مطالعہ قرآن حکیم کا منتخب نصاب
- عقائد و عبادات
- ترجمۂ قرآن حکیم
- اسپیشل لیکچرز
- سیرت النبی ﷺ
- کلام اقبال

پارٹ II
- علم تفسیر
- اصول فقہ
- علم حدیث
- عقیدہ
- علم فقہ
- عربی زبان و ادب
- اصول تفسیر
- تحریکیات
- اصول حدیث
- اضافی محاضرات

پارٹ I اور پارٹ II دونوں ایک ایک سال کے دورانیے پر مبنی ہیں
پارٹ I میں داخلے کے لئے انٹرمیڈیٹ یا مساوی سند درکار ہوگی
آغاز: 19 ستمبر 2011ء
پارٹ II میں داخلے کے لئے پارٹ I یا مساوی سند لازمی ہے
خواتین کے لئے شریعت کے مطابق باپردہ اہتمام
اہل طلبہ کے لئے مناسب اسکالرشپ

شہر کے باہر سے آنے والے طلبہ کے لئے محدود تعداد میں ہاسٹل اور میس کی سہولت موجود ہے

نوٹ: ہاسٹل/میس کی سہولت قرآن اکیڈمی یاسین آباد میں صرف حضرات کے لئے دستیاب ہے۔

اسی طرح فی الوقت پارٹ II کا کورس بھی صرف حضرات کے لئے یاسین آباد اکیڈمی میں منعقد کیا جارہا ہے۔

مقامات تدریس:
1. قرآن اکیڈمی ڈیفنس، مسجد جامع القرآن خیابان راحت فیز 6 درخشاں ڈیفنس، کراچی 23-021-35740022
2. قرآن اکیڈمی یاسین آباد، شارع قرآن اکیڈمی، بلاک 9، فیڈرل بی ایریا، کراچی 021-36806561
3. قرآن مرکز گلستان جوہر، مسجد باب القرآن، سالکین بسیرا، بلاک 14 کراچی 021-34255995

مزید تفصیلات، پراسپیکٹس اور داخلہ فارم ویب سائٹ سے حاصل کریں www.quranacademy.com

بانی تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد رحمۃ اللہ علیہ کی مقبول عام تالیف

مسلمانوں پر قرآن مجید کے حقوق

خود پڑھئے اور دوستوں اور عزیزوں کو تحفتاً پیش کیجئے!

اشاعت خاص: 45 روپے
اشاعت عام: 25 روپے

اولاد کی تربیت اور کردار سازی: اہم دینی اور معاشرتی فریضہ

مولانا اسد دیوبندی

نسل نو کو اخلاق و آداب سے آراستہ کرنا اور ان کی تربیت والدین کی بنیادی ذمہ داری ہے۔ الحمد للہ، اللہ جل شانہٗ نے ہمیں اس دین پر چلنے کی توفیق عطا فرمائی جو اللہ تعالیٰ کا پسندیدہ دین ہے، جو زندگی کے ہر میدان میں ہماری رہنمائی کرتا اور ہمیں اخلاق اور ادب واحترام کی تعلیم دیتا ہے۔ ایک بزرگ کا قول ہے کہ جو مسلمان اخلاق اور ادب واحترام کے جذبے سے معمور ہو، وہ اللہ تعالیٰ کا محبوب بندہ اور رسول اکرم ﷺ کا پسندیدہ اُمتی ہے۔ اسلام میں اخلاق پر بہت زور دیا گیا ہے۔ سرکار دو جہاں ﷺ کا ارشاد ہے: ''اسلام (بہترین) اخلاق ہے۔'' بزرگوں نے اسی لیے اخلاق کی بنیاد ادب واحترام پر ٹھہرائی ہے۔ اگر ادب واحترام نہ ہو تو اخلاق کا مفہوم ''بے معنی'' ہو کر رہ جاتا ہے۔ اسلام اخلاق وادب واحترام کو اپنے اندر سموئے ہوئے ہے۔ اخلاق کا دائرہ بہت وسیع ہے۔ یہ نہیں کہ گفتار میں اخلاق ہو، مگر عمل کا انحصار بے ادبی پر ہو۔ یہ طرزِ عمل اللہ کی خوشنودی نہیں، بلکہ ناراضی کا سبب بن جائے گا۔ اسی لیے کہا جاتا ہے کہ بے ادب بے نصیب، باادب بانصیب۔ اللہ کی خوشنودی حاصل کرنی ہے تو ہمیں چاہیے کہ ہم اسلامی اخلاق کو اپنائیں۔ رسول رحمت ﷺ کی اتباع کریں، ماں باپ کو راضی کریں۔ انہیں راضی رکھنے کے لیے نبی اکرم ﷺ نے فرمادیا کہ ماں باپ کی خوشنودی میں اللہ تعالیٰ کی رضا اور ماں باپ کی ناراضی میں اللہ تعالیٰ کی ناراضی ہے۔

آج ہم اپنے ماحول پر نظر ڈالتے ہیں تو ''دعوے'' تو بہت ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے تابع فرماں بندے ہی رسول اللہ ﷺ کی سنت پر چلنے والے اُمتی ہیں اور ماں باپ کی خدمت گزار اولاد ہیں۔ مگر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ دعوے ہی دعوے ہیں۔ شاید یہ سب دعوے ہم ''عادتاً'' کرتے ہیں کہ ''ہم مسلمان ہیں''۔ کاش ہم بدلتے ہوئے حالات کا جائزہ لیں کہ جائزہ لینے سے اپنی ''خطاؤں'' کو معاف کرانے کی توفیق دی جاتی ہے۔ آج وہ تمام مقدس ومحترم رشتے جن کا تعلق ادب واحترام کی بنیاد پر قائم ہے، اخلاق نہ ہونے کے سبب شاید دور سے دور ہوتے جارہے ہیں۔ آج ہر گھر کے بڑے (یعنی والدین) انتہائی کرب میں مبتلا ہیں۔ گھر کاٹ کھانے کو دوڑ رہا ہے۔ بس ہر ایک کی زبان پر ایک ہی جملہ ہے ''اولاد نافرمان ہوگئی، ادب واحترام نہیں کرتی۔'' حالانکہ ہم نے اس کی پرورش میں کوئی کسر نہیں اُٹھا رکھی، ان کی ہر خواہش کو ہزار مجبوریوں کے باوجود پورا کیا۔ کاش! ہم سمجھتے کہ اولاد کا حق یہ نہیں کہ ان کی ہر خواہش کو پورا کرو۔ ان کا حق تو یہ ہے کہ ان کی صحیح اسلامی طریقے پر تربیت اور پرورش کی جائے، جو ہم نہ کرسکے۔ جس کا نتیجہ ہمارے سامنے ہے کہ والدین کی عزت وتکریم تقریباً ختم ہو کر رہ گئی ہے۔ رب کریم ناراض ہوگیا ہے۔ ماں باپ ''اب کیا ہوگا'' کہہ کر ہاتھ ملنے لگے، مگر حقیقت تو یہ ہے کہ ہم نے اولاد کی پرورش غیر اخلاقی اور غیر اسلامی طریقے پر کی۔ سچ کو سچ ماننے ہی میں کامیابی ہے۔ آیئے، ہم تسلیم کریں کہ اولاد کو ہم نے بگاڑا۔ ہم نے انہیں جھوٹ سکھایا، بے ادب بنایا، احکام قرآن سے بے بہرہ رکھا۔ قرآن نے تو اولاد کو حکم دیا کہ والدین کے سامنے اُف بھی نہ کہو۔ رسول اکرم ﷺ نے تو یہ فرمایا کہ ماں باپ راضی تو رب راضی مگر کیا ہم نے اولاد کو حکم قرآنی اور ارشاد رحمت دوعالم ﷺ سنایا؟ نہیں سنایا تو اب رونا نہیں چاہیے۔ رب کے حضور معافی مانگیں۔ اللہ نے والدین کو بھی متنبہ کردیا کہ تربیت دینے کے ذمے داری تمہاری ہے۔ بے شک، اولاد ماں باپ کے پاس اللہ کا عطیہ (امانت) ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنی اس عطا کردہ امانت سے متعلق روزِ قیامت دریافت کرے گا کہ تم نے اولاد کی تربیت کیسے کی؟ جواب ''ہاں'' یا ''نہ'' میں دینا ہوگا۔ ہمیں یہ بات تسلیم کرلینی چاہیے کہ اولاد کی فرماں برداری اور نافرمانی کے ذمے دار ہم (والدین) ہیں۔ اس لیے کہ ہم نے انہیں اسلامی تہذیب وتمدن اور اخلاق وآداب سے دور رکھا، دینی تعلیمات سے بے بہرہ رکھا۔ صرف اُن کی چاہتیں اور خواہشیں ہی پوری کرنے میں لگے رہے کہ بڑی ہوکر ہمارا سہارا بنے گی، انہیں سر پر بٹھالیا۔ والدین کا احترام تو کیا والدین سے بات کرنے کا سلیقہ بھی نہ سکھایا۔ کاش! ہم اب بھی سنبھل جائیں کہ کہیں وقت نہ نکل جائے۔ اولاد کو ادب واحترام سکھا کر ہم بارگاہ الٰہی میں سرخرو ہوں۔ آیئے! اولاد کو صحیح تعلیم وتربیت سے گزاریں۔ اسی سے اولاد نیک صالح ہوگی، ہمارے حقوق ادا کرے گی اور ہم روز محشر اولاد کے حقوق کے حوالے سے سرخرو ہوسکیں گے۔ ابھی وقت ہے، یقین کیجیے کہ ہم (والدین) ہی قصوروار ہیں۔ تو آیئے اپنی اولاد کو صحیح سمت لائیں جہاں ادب واحترام ہو، بڑوں کی عزت ہو، والدین کی عظمت ہو۔ ہم اپنی ذمے داری پوری کریں۔ مولانا احتشام الحق تھانویؒ نے فرمایا تھا: ''نوجوان کچی ہنڈیا ہیں، ابھی وقت ہے کہ انہیں جدھر چاہو ''مولڈ'' کردو۔ پک گئی تو مولڈ ہونے کے بجائے ٹوٹ جائے گی۔''

والدین کو اپنے فرائض کی ادائیگی پر پوری توجہ دینی ہوگی۔ ہماری عدم توجہی کی بدولت ہماری اولاد بے راہ روی کا شکار ہے۔ قتل وغارت گری، بداخلاقی، بے راہ روی میں مبتلا ہے۔ ہماری اولاد ہمارا مستقبل ہے، دنیا کا بھی اور آخرت کا بھی۔ اگر ہم اپنا مستقبل سنوارنا چاہتے ہیں تو پھر ہمیں اپنی اولاد کی تعلیم وتربیت، ان کے اٹھنے بیٹھنے، کھانے پینے، پڑھنے لکھنے، ان کے دوست احباب غرض ہر چیز پر نظر رکھنی ہوگی۔ سوتے جاگتے ان کی نگرانی کرنی ہوگی۔ ہمیں اپنے بچوں کی زبان، ان کی بول چال، ان کے لباس، ان کی چال ڈھال، ان کے کسی بھی انداز کو نظرانداز نہیں کرنا چاہیے، بلکہ ان کی ایک ایک چیز کا جائزہ لینا چاہیے۔ تب ہی ہم اپنے فرائض صحیح طرح ادا کرسکیں گے اور روزِ قیامت بارگاہِ خداوندی میں سرخرو ہوسکیں گے کہ ہم نے اپنی اولاد کی تعلیم وتربیت میں کوئی کوتاہی نہیں کی۔ اللہ تعالیٰ تمام والدین کو تربیت اولاد کی اس ذمہ داری کو ادا کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

شیطان کی وسوسہ اندازی

شاہ وارث

اگر ہم شیطان لعین کے نظام العمل اور طریقہ کار کا جائزہ لیں تو اس نتیجہ پر پہنچ جائیں گے کہ اس میں سب سے زیادہ خطرناک، مہلک، غلیظ اور تباہ کن عمل وسوسہ اندازی ہے۔ چنانچہ یہی وار تھا جسے ہمارے جدِ امجد پر آزمایا گیا تھا۔ ہر ابن آدمؑ (الا ماشاء اللہ) شیطان کی اس چال میں کسی نہ کسی طرح پھنس کر رہ جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ شیطان کہتا ہے اور للکار کر کہتا ہے کہ ''ابنِ آدم چیست یک مشت خس است'' اور آگے کہتا ہے کہ اس یک مشت خس کے لیے میرا ایک ہی آگ کا شعلہ کفایت کرتا ہے کہ میں اس کے ذریعے اسے بھسم کر کے رکھ دیتا ہوں۔

عام طور پر شیطان کا وسوسہ یہ ہوتا ہے کہ دوسرے کے بارے میں آپ کے دل میں کوئی بُرا خیال ڈال دیتا ہے، کوئی بُری رائے قائم کر دیتا ہے اور اس کی پہچان یہ ہے کہ یہ وسوسہ بار بار اور پلٹ پلٹ کر آئے گا۔ کوئی تھوڑی سی بھی کسی کے ساتھ آپ کی اَن بن ہوئی تو آپ دیکھیں گے کہ شیطان آ کر آپ کو اکسانا شروع کر دے گا۔ پھر خاص طور پر جس سے آپ کے تعلقات اچھے نہ ہوں، ٹرمز اچھی نہ ہوں، مثلاً کسی سے حسد ہو، بغض اور دشمنی ہو، یا آپ کے مقابلہ میں اس کو زیادہ اہمیت دی جا رہی ہو، تو پھر شیطان اشتعال دلا کر بہکانے پر تُل جاتا ہے کہ دیکھو، اس نے یہ غلط کام کیا، اس کی یہ بات بہت غلط ہے، اس کا یہ طریقہ درست نہیں ہے، اس کے اندر یہ خامی ہے اور وہ خامی ہے، اس نے تمہارے بارے میں فلاں کو یہ کہا ہے اور وہ کہا ہے، اور اس نے اس وقت جو بات کی تھی، اس کا یہ مقصد تھا اور وہ مطلب تھا۔ نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ شیطان آپ کو بدگمان کر کے ہی چھوڑتا ہے۔

اب بدگمانی صرف گمان کی حد تک نہیں رہتی بلکہ انسان اس کے مطابق اگلا قدم اُٹھاتا ہے، دل ہی دل میں سوچتا اور منصوبے بناتا ہے کہ کچھ کرنا چاہیے، ورنہ بڑی خرابی ہو جائے گی۔ اور پھر اسی طرح وہ دوسروں سے بھی کہنا شروع کر دیتا ہے۔ فون اور موبائل الرٹ ہو جاتے ہیں اور دوسرا شخص بھی اس خیال سے کہ یہ میرا ساتھی ہے، میرا دوست ہے، میرا رفیق ہے، میرا بڑا ہے، میرا بزرگ ہے، میرا صدر اور امیر ہے، اب میں کیسے انکار کر سکتا ہوں، کیسے کہوں کہ آپ غلطی پر ہیں۔ یوں خواہی نہ خواہی دوسرا بھی اس کی ہاں میں ہاں ملاتا ہے، سر ہلاتا ہے اور بے سمجھے بوجھے اُس کے پیچھے چل پڑتا ہے۔ اور پھر وہ بات جو کچھ بھی نہ تھی، کیا سے کیا ہو جاتی ہے اور کہاں سے کہاں چلی جاتی ہے۔ کیا کیا طوفان برپا ہو جاتے ہیں، کیا کیا حالات رونما ہو جاتے ہیں، کیسی کیسی شخصیتیں مسخ ہو جاتی ہیں اور کیسے کیسے لوگ اندر سے مر کر بجھ جاتے ہیں۔ لیکن اس صاحب ظن اور صاحب شیطان کو ہوش بھی نہیں رہتا ہے کہ کیا کر گزرا۔ بھول جاتا ہے کہ جو کچھ میں نے کر ڈالا، یہ ٹھیک نہیں۔ آخرت میں اس کی کوئی جواب دہی ہوگی۔ شیطان اور نفس کے جال میں پھنس کر بالکل بے خوف وخطر سارا معاملہ طے کر دینے والا اور محض اپنی ذات اور اپنی انا کو جھوٹی تسکین پہنچانے والا بالآخر اپنی عاقبت برباد کر ڈالتا ہے۔

کسی نے صحیح کہا ہے کہ انسان جب تشدد پر اُتر آتا ہے تو تمام تر حدود وقیود پار کر جاتا ہے۔ درندگی پر آتا ہے تو شیر اور بھیڑیا کو پیچھے چھوڑ دیتا ہے۔ غصہ، کینہ اور غضب پر آتا ہے تو لوگ اونٹ بھول جاتے ہیں۔ جنسی بے راہ روی کا شکار ہو جاتا ہے تو خنزیر نگاہوں سے اوجھل ہو جاتا ہے۔ بے وقوفی شروع کرے تو گدھا بے چارا بہت پیچھے رہ جاتا ہے۔ لالچ کے دام میں گرفتار ہو تو کتے اور کوّے پر بھی بازی لے جاتا ہے۔ مکر وفریب اور چالاکی کرنا شروع کرے تو بندر، لومڑی وغیرہ کو مات دے دیتا ہے۔ اور اگر بزدلی اور بے حمیتی دکھائے تو گیدڑ اس کے مقابلے میں شیر معلوم ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ اپنے بندوں سے فرماتا ہے کہ اس شیطان لعین کی پیروی سے بچو، اس کے راستوں اور نقش قدم پر نہ چلو، وگرنہ اپنی عاقبت برباد کر ڈالو گے۔

اللّٰھم انی اعوذ بك من شر الوسواس الخناس

ضرورت رشتہ

☆ شیخ فیملی کی 24 سالہ دوشیزہ، تعلیم بی اے، قد "5'2 کے لیے، نیک شریف خاندان سے برسر روزگار رشتہ درکار ہے۔ لاہور اور فیصل آباد کے رشتے کو ترجیح دی جائے گی۔ برائے رابطہ: 0321-9320023

☆ ارائیں فیملی کو اپنی تین بیٹیوں، عمریں 27 سال (ایم اے اکنامکس)، 24 سال (ایم بی اے)، 22 سال (ایم اے اسلامیات) کے لیے نیک دیندار برسر روزگار لڑکوں کے رشتے مطلوب ہیں۔ ذات پات کی کوئی قید نہیں۔

برائے رابطہ: 042-36540084/35078034

☆ لاہور میں رہائش پذیر فیملی کو اپنی بیٹی، عمر 29 سال، ستر وحجاب کی پابند (طلاق یافتہ) کے لیے دینی مزاج کے حامل لڑکے کا رشتہ درکار ہے۔

برائے رابطہ: 0300-4315115

دعائے مغفرت کی اپیل

- منفرد رفیق بورے والا، (حلقہ پنجاب شرقی) ڈاکٹر افضل حفیظ میاں کے والد وفات پا گئے
- اُسرہ شکار پور کے مبتدی رفیق جاوید محمد جوکھیو کی بہن وفات پا گئیں
- رفقائے تنظیم اسلامی محمد شبیر اور محمد وحید کے والد گزشتہ دنوں انتقال کر گئے
- حلقہ کراچی جنوبی کی تنظیم شاہ فیصل کے ناظم تربیت شبیر احمد کے سسر اِس دارِ فانی سے کوچ کر گئے

اللہ تعالیٰ مرحومین کی مغفرت فرمائے، اور پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ (آمین)

اللّٰھم اغفرلھم وارحمھم و ادخلھم فی رحمتك وحاسبھم حسابًا یسیرًا

جنابِ وزیرِاعظم! ریکارڈ درست کیجیے

ڈاکٹر محمد عمر فاروق

گزشتہ دنوں روزنامہ نوائے وقت میں وزیراعظم یوسف رضا گیلانی کا مضمون بعنوان ''میرے والد مخدوم سید علمدار گیلانی'' بالاقساط شائع ہوا۔ مضمون میں وزیراعظم نے مجلس احرار اسلام پر تنقید کی اور یہ بات باور کرانے کی کوشش کی کہ مجلس احرار نے ممتاز دولتانہ کی ایما پر قادیانیوں کے خلاف تحریک شروع کی۔ اس کے جواب میں احرار میڈیا سنٹر کی جانب سے ہمیں ریکارڈ کی درستی کے لیے زیرنظر مضمون موصول ہوا ہے۔ جس میں وزیراعظم کے خیالات کی تردید کی گئی ہے۔ ہم سمجھتے ہیں کہ مضمون میں کہی گئی بات ہی صحیح اور حقیقت واقعہ کے مطابق ہے۔ لہٰذا مضمون کو شائع کیا جارہا ہے۔ (ادارہ)

حال ہی میں جناب سیّد یوسف رضا گیلانی وزیراعظم پاکستان کا مضمون ''میرے والد مخدوم سیّد علمدار گیلانی'' بالاقساط شائع ہوا۔ جس میں وزیراعظم نے اپنے والد ماجد کے سوانحی حالات کے ضمن میں مجلس احرار اسلام کو اپنی تنقید کا نشانہ بنایا، جو درحقیقت خلافِ واقعہ ہے۔ تاریخ کی اصلاح اور ریکارڈ کی درستگی کے لیے یہ سطور پیش خدمت ہیں۔

جنابِ وزیراعظم نے میاں ممتاز دولتانہ سابق وزیراعلیٰ پنجاب کی وزارتِ اعلیٰ کے خاتمے کے اسباب کے تذکرہ میں لکھا ہے کہ: ''پنجاب حکومت کی زرعی اصلاحات سے زمیندار طبقہ ناراض تھا اور اِسی بناء پر انھوں نے حکومت کو گندم فروخت کرنے سے انکار کردیا۔ نتیجتاً صوبہ بھر میں گندم کی قلت ہوگئی۔ مجلس احرار نے اپنی کھوئی ہوئی ساکھ بحال کرنے کے لیے اُن کی حمایت شروع کردی۔ وفاق کو کمزور کرنے کی ضد میں وزیراعلیٰ ممتاز دولتانہ درپردہ مجلس احرار کی حمایت کر رہے تھے۔ اِسی دوران مجلس احرار نے قادیانی کافر کا نعرہ لگادیا۔ ملک میں فسادات شروع ہوگئے۔ لاہور کی طرح کراچی اور کوئٹہ بھی لپیٹ میں آگئے۔''

پہلی بات تو یہ ہے کہ پاکستان کی تاریخ پر نظر رکھنے والے بخوبی جانتے ہیں کہ مجلس احرار اسلام نے جنوری 1949ء میں لاہور کے ایک جلسۂ عام میں احرار کی سیاسی حیثیت کو ختم کرنے کا اعلان کیا تھا اور اپنے کارکنوں کو حکم دیا تھا کہ جو لوگ سیاسی کام کرنا چاہتے ہیں، وہ مسلم لیگ میں شامل ہوجائیں۔ اِس طرح مجلس احرار اسلام نے سیاست سے دستبرداری کا اعلان کرکے مسلم لیگ کے لیے سیاسی میدان کھلا چھوڑ دیا۔ تاکہ مسلم لیگ بغیر کسی رکاوٹ اور مخالفت کے آزادانہ طور پر نوزائیدہ مملکت کی تعمیر و تشکیل کرسکے۔ انتخابی سیاست سے علیحدگی کے بعد مجلس احرار کے رہنماؤں نے اپنا جماعتی دائرۂ عمل دینی امور بالخصوص تحفظ ختم نبوت تک محدود اور مخصوص کردیا تھا اور ایک قرارداد میں واضح کردیا تھا کہ: ''مجلس احرار اَب مذہبی اور اخلاقی کاموں میں سرگرم عمل رہے گی۔ تحفظ ختم نبوت اِس کا بنیادی مسئلہ ہے۔ سیاست اب ہماری منزل نہیں۔ سیاست مسلم لیگ جانے اور اُس کا کام۔'' مجلس احرار نے انتخابی سیاست کو خیرباد کہہ کر مسلم لیگ کی سیاسی حیثیت مستحکم کردی۔ بصورتِ دیگر مجلس احرار اسلام اگر اپنی سیاسی حیثیت برقرار رکھتی تو وہ مسلم لیگ کے لیے بحیثیت جماعت ایک سخت اور شدید ترین اپوزیشن جماعت ثابت ہوسکتی تھی، لیکن احرار رہنماؤں نے محاذ آرائی سے بچتے ہوئے اپنی سیاسی جمع پونجی کو مسلم لیگ کے سپرد کرکے جس فراخ دلی اور کشادہ ظرفی کا ثبوت دیا اُس کی مثال آج تک کوئی بھی جماعت پیش کرنے سے قاصر ہے۔ وزیراعظم کا یہ کہنا کہ مجلس احرار اسلام نے اپنی کھوئی ہوئی ساکھ بحال کرنے کے لیے دولتانہ کی حمایت شروع کردی تھی تو یہ دراصل ماضی کی تاریخ سے بے خبری کا

تعاقب

نتیجہ ہے یا پروپیگنڈے سے متاثر ہونے کا اثر ہے۔

مجلس احرار 1946ء کے انتخابات میں شکست سے دوچار ہوجانے کے بعد بھی پاکستان میں مسلم لیگ کے بعد دوسری بڑی سیاسی جماعت کا درجہ برقرار رکھے ہوئے تھی۔ جس کے صرف لاہور شہر کے کارکنوں کی تعداد اور اُس کی عوامی و سیاسی قوت کا اندازہ اِس واقعہ سے ہی لگایا جاسکتا ہے کہ جب 1951ء کے انتخابات میں مسلم لیگ نے دس قادیانیوں کو ٹکٹ دیے تو مجلس احرار نے بھرپور مہم چلائی۔ جس کے نتیجہ میں تمام قادیانی امیدوار ہار گئے اور مجلس احرار اسلام نے یومِ تشکر منایا۔ اِس موقع پر احرار رضاکاروں نے مسلم لیگ کی کامیابی پر نواب افتخار حسین ممدوٹ رہنما پاکستان مسلم لیگ کو سلامی دی تھی تو احرار کے پچاس ہزار سے زائد کارکنوں پر مشتمل جلوس کا اگلا دستہ لاہور قلعہ کے دروازے پر تھا اور سب سے پچھلا دستہ ابھی دہلی دروازے میں تھا۔ اس بھرپور قوت کی حامل ہوتے ہوئے احرار کو میاں ممتاز دولتانہ کی کمزور بیساکھیوں کی ضرورت ہرگز نہ تھی۔

رہی دولتانہ کی ''درپردہ'' مجلس احرار اسلام کی حمایت کی حقیقت، تو عرض ہے کہ تحریک مقدس تحفظِ ختمِ نبوت 1953ء کے واقعات کی تحقیق کے لیے جسٹس محمد منیر اور جسٹس ایم آر کیانی پر مشتمل دورُکنی تحقیقاتی کمیشن قائم کیا گیا تھا جو عرفِ عام میں منیر انکوائری کمیشن کہلاتا ہے۔ اِس کمیشن نے اگرچہ جانبداری کی حد کردی تھی اور اس کی رپورٹ میں مجلس احرار اسلام کے خلاف الزامات و اِتہامات کی بوچھاڑ کردی گئی تھی، لیکن یہ کمیشن بھی اپنی تحقیقاتی رپورٹ میں دولتانہ کی تحریک ختم نبوت کی حمایت کو ثابت نہ کرسکا اور کمیشن کی رپورٹ میں واضح طور پر یہ تسلیم کیا گیا کہ ''ہمارے سامنے اس امر کی بھی کافی شہادت موجود نہیں کہ مسٹر دولتانہ نے اِس تحریک کو شروع کیا، یا...... اس کو تقویت پہنچانے کی کوشش کی۔'' (رپورٹ تحقیقی عدالت، صفحہ 305) تحقیقاتی کمیشن نے احرار، دولتانہ ''سازباز'' کو بھی محض سنی سنائی بات قرار دیا۔ (رپورٹ تحقیقی عدالت، صفحہ 306)

مجلس احرار اسلام کو ممتاز دولتانہ کے ساتھ نتھی کرنا دراصل قادیانیوں کا شرانگیز پروپیگنڈا ہے۔ جس سے متاثر ہوکر ہمارے قلم کار بھائی بے سوچے سمجھے اسے قبول کرلیتے ہیں، حقائق کو نظرانداز کردیتے ہیں اور

پھر اپنے خودساختہ فکر و تجزیہ کو تاریخی دستاویز کے طور پر پیش کرنے اور منوانے کے درپے ہو جاتے ہیں۔ احرار رہنماؤں نے تحریک تحفظ ختم نبوت کا اجراء کسی شخصیت کو اقتدار میں لانے یا اقتدار سے ہٹانے کے لیے نہیں، بلکہ صرف اور صرف جنابِ رسالت مآب ﷺ کے منصب ختم نبوت کے تحفظ اور پاکستان کو قادیانی سازشوں سے بچانے کے لیے کیا تھا۔ اُس دور میں پاکستان قادیانیوں کے ناپاک منصوبوں کا ہدف بنا ہوا تھا۔ قادیانی وزیرخارجہ سرظفراللہ خان نے اپنے عہدہ کا فائدہ اٹھاتے ہوئے دنیا کے اکثر پاکستانی سفارت خانوں کو جناب حمید نظامی مرحوم کے بقول ''قادیانی تبلیغ کے اڈے بنا دیا تھا'' اُدھر قادیانی سربراہ مرزا بشیر الدین محمود صوبہ بلوچستان کو ''احمدی صوبہ'' بنانے کا کھلم کھلا اعلان کرنے اور اکھنڈ بھارت کے ارادوں کو اپنے الہامات سے سجا کر سامنے لا رہا تھا۔ پاکستان وقت کے نازک دوراہے پر آ کھڑا تھا۔ ان مخدوش حالات میں مجلس احرار اسلام کے رہنماؤں نے اسلام اور پاکستان کی حفاظت کے لیے میدان عمل میں نکلنے کا فیصلہ کیا۔ کل جماعتی مجلس عمل بنائی گئی۔ جس نے قوم و ملک کو قادیانی بھنور سے نکالنے کے لیے یہ تین متفقہ مطالبات مرتب کیے: (1) قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دیا جائے۔ (2) سرظفراللہ خان قادیانی کو وزارت خارجہ سے سبکدوش کیا جائے۔ (3) تمام کلیدی عہدوں سے قادیانیوں کو برطرف کیا جائے۔ ان مطالبات کی منظوری کے لیے مجلس عمل کے رہنماؤں نے بارہا وزیراعظم خواجہ ناظم الدین سے مذاکرات کیے، لیکن آخرکار خواجہ ناظم الدین نے مجلس عمل کے رہنماؤں سے یہ کہہ کر مذاکرات کے عمل کو معطل کر دیا کہ ''اگر قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دیا گیا تو امریکہ ہماری گندم بند کر دے گا''۔ اِس مایوس کن جواب کے باوجود مجلس عمل نے صبر و تحمل کا دامن ہاتھ سے نہ چھوٹنے دیا اور مذاکرات کے سلسلہ کو کسی نہ کسی طرح بحال رکھا، مگر حکومت ٹس سے مس نہ ہوئی۔ مجبوراً راست اقدام (DIRECT ACTION) کا فیصلہ کیا گیا اور تحریک کو بہرصورت پُرامن رکھنے کا فیصلہ ہوا، لیکن خواجہ ناظم الدین کی حکومت نے مجلس عمل کے مرکزی رہنماؤں امیر شریعت سیّد عطاء اللہ شاہ بخاری، مولانا ابوالحسنات قادری، ماسٹر تاج الدین انصاری سمیت متعدد رہنماؤں کو دفتر احرار، کراچی سے گرفتار کر لیا۔ اِن گرفتاریوں کی خبر پنجاب میں پہنچی تو عوام میں غم و غصہ کی لہر دوڑ گئی۔ وزیراعلیٰ پنجاب میاں ممتاز دولتانہ جن کے بارے میں تحریک ختم نبوت کا پشتیبان ہونے کا پروپیگنڈا کیا جاتا ہے، انھوں نے ہی 27 فروری 1953ء کو

خواجہ ناظم الدین نے مجلس عمل کے رہنماؤں سے یہ کہہ کر مذاکرات کے عمل کو معطل کر دیا کہ
''اگر قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دیا گیا تو امریکہ ہماری گندم بند کر دے گا۔''

مجلس احرار اسلام پنجاب کے تمام سرگرم رہنماؤں اور کارکنوں اور دُوسرے متحرک افراد کو رات کو گرفتار کرنے کے فیصلہ کی منظوری دی۔ (تحقیقاتی عدالت رپورٹ، صفحہ 147) اور پنجاب بھر سے ہزاروں افراد رات گئے تک گرفتار کر لیے گئے۔ (کیا یہی دولتانہ کی مجلس احرار اسلام سے ''ہمدردی'' تھی!)

6 مارچ 1953ء کو فوج لاہور شہر میں داخل ہوگئی اور جنرل اعظم خان کی طرف سے مارشل لاء کے نفاذ کا اعلان کر دیا گیا۔ مارشل لاء کا فائدہ اٹھا کر کئی مقامات پر قادیانی فوجی وردیاں پہنے، جیپ میں سوار ہو کر مسلمانوں پر فائرنگ کرتے رہے اور کوئی انھیں روکنے والا نہ تھا۔ دولتانہ کی پنجاب پولیس، جنرل اعظم خان کے ایماء پر آرمی اور ان کے علاوہ قادیانی افسران تحفظ ختم نبوت کے نام لیواؤں پر وحشیانہ تشدد کرنے اور اُن کے قتل عام میں مصروف ہو گئے۔ یہاں تک کہ دس ہزار نہتے اور بے گناہ مسلمان مملکت خداداد میں شہید کر دیے گئے۔ مجلس احرار پر پابندی عائد کر دی گئی اور قادیانیوں کو کفر و ارتداد پھیلانے کے لیے کھلا چھوڑ دیا گیا۔ اگر خواجہ ناظم الدین کی حکومت امن چاہتی تو مسلمانوں کے متفقہ مطالبات کو ماننے میں ذرا بھی دیر نہ لگاتی اور دولتانہ حکومت اگر عوام کی خیرخواہی اور مسلمانوں کے جذبات کی ترجمان ہوتی تو فرزندانِ ختم نبوت کو گرفتاریوں، گولیوں اور وحشیانہ تشدد سے دوچار نہ کرتی۔ مرکزی و صوبائی حکومتوں اور فوج نے مل کر شہیدانِ ختم نبوت کو ختم نبوت کے تحفظ کی پاداش میں مٹا ڈالنے کی ہر ممکن کوشش کی، لیکن تاریخ شاہد ہے کہ جس، جس نے بھی تحریک ختم نبوت کو کچلنے کے لیے درندگی و بہیمیت سے کام لیا وہ خود عبرت کا نشان بن گیا۔ جنرل اعظم خان، خواجہ ناظم الدین، ممتاز دولتانہ اور سرظفراللہ خان نے دائمی اقتدار کی خواہش اور قادیانیوں کی خوشنودی کے لیے شہدائے ختم نبوت کے خونِ بے گناہی سے ہاتھ رنگے، لیکن پھر وہ قصرِ اقتدار کے قریب سے بھی نہ گزر سکے۔ عبرت سرائے دہر میں وہ ناکامی و نامرادی کی مثال بن کر مٹی میں مل گئے، مگر آقائے دو جہاں ﷺ کی حرمت و ناموس اور آپؐ کے منصب عظیمہ پر مرمٹنے والے بظاہر گمنام، لیکن آج بھی تقدس و تطہیر کی علامت اور عقیدت و احترام کا نشان ہیں۔ شہدائے ختم نبوت کی اکثریت تعلیم یافتہ نہ تھی، لیکن وہ بدرجۂ اتم یہ شعور و اِدراک رکھتی تھی کہ ختم نبوت دین کی اساس ہے کہ جس پر ایمان لائے بغیر اسلام کا تصور ہی نہیں کیا جا سکتا۔ اس کے برعکس علامہ محمد اقبالؒ کے بقول: ''نام نہاد تعلیم یافتہ مسلمانوں نے ختم نبوت کے تمدنی پہلو پر کبھی غور نہیں کیا۔ مغربیت کی ہوا نے انھیں حفظِ نفس کے جذبہ سے عاری کر دیا ہے، لیکن عام مسلمان جو (اُن کے نزدیک) مُلّا زدہ ہے اِس تحریک [قادیانیت] کے مقابلہ میں حفظِ نفس کا ثبوت دے رہا ہے۔'' (قادیانیت اور اسلام، بجواب نہرو)

یہ بھی حقیقت ہے کہ قادیانیوں کو غیر مسلم قرار دینے کا جو کام خواجہ ناظم الدین جیسا تہجد گزار، حاجی اور نمازی شخص نہ کر سکا، وہ عظیم کام اللہ تعالیٰ نے ذوالفقار علی بھٹو مرحوم سے لے لیا اور بھٹو مرحوم نے عالمی طاقتوں اور طاغوتی قوتوں کے دباؤ میں آئے بغیر یہ معرکہ سر کر کے اللہ اور اُس کے رسول ﷺ کی دائمی خوشنودی کا سامان کر لیا۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ جناب وزیراعظم یوسف رضا گیلانی کو بھی اپنے قائد بھٹو مرحوم کی پیروی میں منکرین ختم نبوت کو پاکستان کے دستور اور اِسلام کے ضوابط کا پابند کرنے کی توفیق دے، آمین۔ یاد رہے کہ ممتاز دولتانہ جیسے کردار کچھ ہی لمحوں کے لیے ابھرتے ہیں اور پھر ہمیشہ کے لیے طاقِ نسیاں کی زینت بن جاتے ہیں جبکہ ناموس رسالت کا تحفظ کرنے والے لوگ فانی نہیں، لافانی ہوا کرتے ہیں۔

☆ مضمون نگار مجلس احرار اسلام پاکستان کے مرکزی ڈپٹی جنرل سیکرٹری ہیں۔ احرار میڈیا سنٹر

ستائیسویں رمضان اور پاکستان

ڈاکٹر صفدر محمود

ابھی کچھ ابہام باقی ہے، اس لئے وضاحت کر رہا ہوں کہ پاکستان 14 اور 15 اگست کی نصف شب معرض وجود میں آیا اور جب ریڈیو پر 12 بج کر ایک منٹ پر مصطفیٰ علی ہمدانی نے اعلان کیا کہ ''یہ ریڈیو پاکستان ہے'' تو گویا کروڑوں مسلمانوں کا صدیوں پرانا خواب حقیقت بن کر سامنے آگیا۔ اس خواب کی جھلک جہاں دو صدیوں پہلے شاہ ولی اللہ کی تحریروں میں ملتی ہے وہاں اس کا نقشہ علامہ اقبال کے 1930ء کے خطبے میں بھی ملتا ہے۔ پروفیسر مسعود الحسن صاحب عالم و فاضل شخصیت تھے۔ وہ اپنی انگریزی کتاب ''حضرت داتا گنج بخش، روحانی سوانح عمری'' مطبوعہ داتا گنج بخش اکادمی میں لکھتے ہیں کہ ''میں 1930ء میں لاہور آیا اور داتا گنج بخش مزار کے قریب رہائش اختیار کی۔ علامہ اقبال ان دنوں اکثر نماز فجر سے قبل داتا گنج بخش حاضری دیا کرتے تھے جہاں میری ان سے ملاقات رہتی تھی۔ میں نے علامہ صاحب کے ارشاد کے مطابق ان کے لئے انگریزی میں کچھ کام کیا اور ان کی تقاریر لکھنے میں بھی مدد کی، جن میں خطبہ الٰہ آباد بھی شامل ہے۔'' پروفیسر مسعود الحسن لکھتے ہیں کہ ''میرے پوچھنے پر علامہ اقبال نے بتایا کہ انہیں مسلمانوں کے لئے علیحدہ وطن کا خیال داتا گنج بخش مزار میں عبادت کے دوران سوجھا''۔ لطف کی بات ہے کہ ایک انگریز مصنف ایولن رنچ نے اپنی کتاب Immortal Year میں لکھا ہے کہ ''میں نے جناح سے پوچھا کہ تمہیں سب سے پہلے پاکستان کا خیال کب آیا اور یہ تصور تمہارے ذہن میں کب ابھرا؟ جناح کا سیدھا سا جواب تھا: ''1930ء میں''۔ گویا علامہ اقبال اور قائداعظم دونوں کو پہلی بار پاکستان کا خیال 1930ء میں آیا۔ ظاہر ہے کہ اس وقت اس خیال نے لفظ پاکستان کا لباس نہیں پہنا تھا، اس لئے یہ خیال مسلمانوں کے لئے ایک آزاد اور علیحدہ مملکت کا خیال تھا۔ جب پاکستان 14 اور 15 اگست کی نصف شب دنیا کے نقشے پر ابھرا تو اس کا پہلا یوم آزادی 15 اگست 1947ء کو منایا گیا۔ اس روز ستائیسویں رمضان تھی، جمعۃ المبارک کا دن تھا اور لیلۃ القدر تھی۔ مبارک شگونوں یا قدرت کی کاریگری مسلمانوں کے لئے بے پناہ حوصلہ افزا اور ایمان افروز تھی۔ اگلے سال یوم آزادی سے قبل جولائی 1948 میں فیصلہ ہوا کہ پاکستان کا یوم آزادی ہر سال 14 اگست کو منایا جائے گا۔ بھارت اپنا یوم آزادی پندرہ اگست کو مناتا ہے۔ شاید پاکستان کے زعماء اور حکمران اپنا یوم آزادی بھارت سے الگ رکھنا چاہتے تھے۔ چونکہ لارڈ ماؤنٹ بیٹن نے 15 اگست سے ہندوستان کے گورنر جنرل کا عہدہ سنبھالنا تھا، اس لئے وہ 14 اگست کو کراچی آئے اور دستور ساز اسمبلی میں برطانوی حکومت کی جانب سے انتقال اقتدار کا اعلان کیا۔ اس لحاظ سے پاکستان کے پاس آپشن تھی کہ وہ اپنا یوم آزادی 14 اگست کر سکتا تھا۔ 14 اگست کو یوم آزادی منانے کی تجویز لیاقت علی خان وزیراعظم پاکستان نے دی اور اس کی منظوری قائداعظم محمد علی جناح گورنر جنرل پاکستان سے لی گئی۔ میں نے یہ ریکارڈ طویل عرصہ قبل دیکھا تھا لیکن اب تو محترم عقیل عباس جعفری صاحب نے اپنے مضمون مطبوعہ روزنامہ ایکسپریس بتاریخ 14 اگست 2011ء میں قائداعظم کی منظوری والے خط کا عکس چھاپ بھی دیا ہے۔ اب یہ بات واضح ہو جانی چاہئے کہ پاکستان 27 رمضان بروز جمعۃ الوداع معرض وجود میں آیا اور یہ لیلۃ القدر کی نہایت مبارک رات تھی۔ یہ اعزاز بہرحال اپنی جگہ قیامت تک قائم رہے گا، چونکہ 14 اگست کو یوم آزادی منانے کا فیصلہ بعد کے برسوں کے لئے تھا۔

اسے آپ تاریخ کے اتفاقات سمجھیں، زمانے کے حادثات سمجھیں یا قدرت کی کاریگری سمجھیں کہ قائداعظم کی شخصیت کو پاکستان سے گہری نسبت ہے۔ قائداعظم کی پہلی اور اکلوتی اولاد دینا 14، 15 اگست کی نصف شب 1919ء کو پیدا ہوئی اور اس نے جمعہ کے دن ہی پہلی بار دن کی روشنی دیکھی۔ قائداعظم کی شخصیت کو پاکستان سے کتنی گہری نسبت ہے، اس کا اندازہ اس سے کیجئے کہ قائداعظم کا یوم پیدائش، یوم وفات اور پاکستان کا یوم آزادی ہمیشہ ایک ہی دن ہوتا ہے۔ اس نقطے کی وضاحت کے لئے چند برسوں کے درج ذیل چارٹ پر نگاہ ڈالئے تو بات واضح ہو جائے گی۔

سال	دن (14 اگست)	وفات (11 ستمبر)	پیدائش (25 دسمبر)
2004ء	ہفتہ	ہفتہ	ہفتہ
2005ء	اتوار	اتوار	اتوار
2006ء	سوموار	سوموار	سوموار
2007ء	منگل	منگل	منگل
2008ء	جمعرات	جمعرات	جمعرات
2009ء	جمعہ	جمعہ	جمعہ
2010ء	ہفتہ	ہفتہ	ہفتہ
2011ء	اتوار	اتوار	اتوار

یہ محض اتفاق ہے یا قدرت کی کاریگری، میں کچھ نہیں جانتا۔ میں نے فقط ایک دلچسپ حقیقت آپ کے سامنے رکھی ہے اور یہ سلسلہ قائداعظم کی وفات 11 ستمبر 1948ء سے شروع ہوا اور جب تک پاکستان قائم ہے یہ سلسلہ یونہی جاری رہے گا۔ اگر آپ اس سے کوئی نتیجہ نکالنا چاہتے ہیں تو نکال لیجئے۔

میرے ایک درویش استاد کہا کرتے تھے کہ ستائیسویں رمضان لیلۃ القدر کو معرض وجود میں آنے والے پاکستان پر اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا سایہ ہے۔ جب ہم پوچھتے کہ پھر 1971ء میں پاکستان کیوں ٹوٹ گیا تو جواب ملتا کہ وہ ہماری اپنی غلطیوں اور بدنیتی کی سزا تھی۔ نظام قدرت نہ ظالم کا ہاتھ پکڑتا ہے اور نہ قاتل سے تلوار چھینتا ہے۔ مشرقی پاکستان کی علیحدگی ہماری غلطیوں کی

سزا تھی لیکن غور کرو قدرت کے انتقام پر کہ پاکستان توڑنے والے سیاسی کردار غیر فطری موت مرے۔ ایک فوجی کردار قید و بند اور نظر بندی کی سزا کے دوران نفرت کا نشانہ بن کر 9 اگست 1980ء کو فوت ہوگیا۔ اسے جس فوجی جنرل اور گورنر سرحد نے فوجی اعزاز کے ساتھ دفنایا وہ خود بھی قتل ہوگیا اس لئے اس فیصلے کی تحقیق نہ ہو سکی۔ ظاہر ہے کہ تاریخ کے اس پہلو پر بے شمار سوالات جنم لیتے ہیں اور بہت سے روشن خیال اس پر تنقید کے پتھر بھی مارتے ہیں۔ میں خود اس معاملے سے کوئی نتیجہ نکالنے کی صلاحیت نہیں رکھتا لیکن میرے درویش استاد کہا کرتے تھے کہ دنیا میں بے شمار ملک ٹوٹے، گورباچوف نے روس کے ٹکڑے کر دیے لیکن ان میں سے کبھی کوئی پھانسی نہیں چڑھا، کسی کو سزا نہیں ملی، پاکستان کو توڑنے والے تین مختلف ممالک کے حکمران تھے اور ان کا انجام ایک جیسا ہوا۔ آخر کیوں؟ صرف پاکستان یا صرف بنگلہ دیش یا صرف ہندوستان میں ایسا ہوتا تو ہم اسے اتفاق کہتے لیکن تینوں ملکوں میں تینوں کا ایک سا انجام قدرت کی سزا کا اشارہ ہے۔ پھر وہ لمبی سانس لے کر کہتے عزیزان جو اس ملک سے بے وفائی کرے گا ذلیل و خوار ہوگا اور جو خلوص نیت سے خدمت کرے گا دونوں جہانوں میں سرخرو ہوگا۔

بقیہ: بچوں کو مارے نہیں ......

اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا ”والدین اپنی اولاد کو جو سب سے بہترین تحفہ اور عطیہ دے سکتے ہیں وہ اچھی تہذیب و تربیت ہے۔“ دورِ حاضر میں معاشرہ کے پراگندہ ماحول میں بچوں کی صالح تربیت و تعلیم یقیناً بہت اہم اور لطیف شے ہے۔ اس لیے والدین اور اساتذہ اپنے اطفال و تلامذہ کی تادیب و تربیت کرنے میں حکمت و تدبر اور نرم خوئی سے کام لیں کہ حکم ہے: ﴿اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّکَ بِالْحِکْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ ......﴾ نیک اولاد ماں باپ کے لیے، لائق شاگرد اُستاد کے لیے حق تعالیٰ کی عطا کردہ نعمتِ عظمیٰ اور ملک و ملت کا گرانمایہ سرمایہ ہے۔ اللہ رب العزت ہمیں اس نعمت و سرمایہ کی قدر و قیمت پہچاننے اور بچوں کی ذہنی اور اخلاقی تعلیم و تربیت کرنے کی توفیق و صحیح سمجھ عطا کرے۔ آمین ثم آمین

خلافت فورم

کیا ڈاکٹر ذوالفقار مرزا نے سچ کہا کہ

☆ رحمان ملک پاکستان دشمن کارروائیوں میں ملوث ہے۔

☆ الطاف حسین نے اُنہیں پیر مظہر الحق کی موجودگی میں کہا کہ امریکہ پاکستان توڑنا چاہتا ہے اور میں اور میری پارٹی امریکہ کے ساتھ ہے۔

☆ 2001 میں الطاف حسین نے برطانوی وزیراعظم ٹونی بلیئر کو خط لکھا کہ آئی ایس آئی کو کالعدم قرار دیا جائے وگرنہ یہ تنظیم اسامہ بن لادن پیدا کرتی رہے گی۔

☆ ایم کیو ایم کے 25 ٹارگٹ کلرز پیرول پر رہا کر دیئے گئے۔

ان سوالات کے جوابات تنظیم اسلامی کی ویب سائٹ
www.tanzeem.org "خلافت فورم" میں دیکھئے

مہمانانِ گرامی: **ڈاکٹر فرید احمد پراچہ** (ڈپٹی سیکرٹری جنرل جماعت اسلامی)
ایوب بیگ مرزا (ناظم نشر و اشاعت تنظیم اسلامی پاکستان)

میزبان: وسیم احمد

پروگرام کے بارے میں اپنی آراء و تجاویز media@tanzeem.org پر ای میل کریں

پیشکش: شعبہ سمع و بصر مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

کیا آپ جاننا چاہتے ہیں کہ

- از روئے قرآن حکیم ہمارا دین کیا ہے؟
- ہماری دینی ذمہ داریاں کون کون سی ہیں؟
- نیکی، تقویٰ اور جہاد کی اصل حقیقت کیا ہے؟

تو مرکزی انجمن خدام القرآن کے جاری کردہ مندرجہ ذیل خط و کتابت کورسز سے فائدہ اٹھائیے:

(1) قرآن حکیم کی فکری و عملی راہنمائی کورس
(2) عربی گرامر کورس (I`II`III)
(3) ترجمہ قرآن کریم کورس

مزید تفصیلات اور پراسپکٹس (مع جوابی لفافہ) کے لئے رابطہ:

شعبہ خط و کتابت کورسز
قرآن اکیڈمی 36۔ کے ماڈل ٹاؤن لاہور
فون: 35869501-3
E-mail: distancelearning@tanzeem.org

the events of September 11, 2001. But even if one takes the US government's official story as true, there is simply no correspondence between the events of that terrible day and the number of human beings who were killed on 9/11 and what has been done to Muslims around the world since then. There is no justice in this response; it is sheer barbaric and brute response to a yet-to-be explained event.

It is, however, the longer-term implication of that barbaric ruthlessness that is the subject here: as collateral damage of this war of terror, there is now no one who speaks for Islam. In the absence of authentic voices, illiterate politicians and military generals, who shake in their pants by the slightest pressure from Washington DC, have become the sole voices for Muslims.

In addition, the post-9/11 scenario has all but killed the possibility of the awakening of Muslim polity that seemed just around the corner following the momentous events of 1979. That short-lived euphoria of an Islamic resurgence --- which was heralded by a dramatic and revolutionary change in Iran in 1979, the emergence of oil power in the Arab world, and many other factors --- has all but disappeared. Instead, we have a retreating Islam, if one can use this term.

Any act of terrorism around the globe is now automatically ascribed to Muslims, as was the case with the recent mass murder in Norway. Muslims are guilty unless they prove themselves innocent; in all other cases, it is the reverse. Even if one construes this situation as an artificial creation of a devilish super power, it remains the operative reality not only in the western world but also within the Muslim world where anyone with a beard and a hijab is automatically a suspicious person.

Another consequence of this war against Islam and Muslims is the enormous leverage western powers have gained in the internal affairs of the Muslim world. From Pakistan to Libya and from Egypt to Tunisia, there is hardly a Muslim country where "independence" is a meaningful word anymore!

(*Courtesy: daily "The News"*)

النصر لیب An ISO 9001:2008 QMS Certified Lab.

ایک ہی چھت کے نیچے معیاری ٹیسٹ، ڈیجیٹل ایکسرے، ای سی جی اور الٹراساؤنڈ کی جدید اقسام، کلرڈاپلر، 4-D، T.V.S، ایکوکارڈیوگرافی، Lungs Function Tests اور Digital Dental (OPG) X-Ray کی سہولیات

ہیپاٹائٹس بی اور سی کے بڑھتے ہوئے امراض کے پیش نظر عوام الناس کے لیے کم قیمت میں ٹیسٹ کروانے کی سہولت

خواتین کے لیے لیڈی الٹراسونولوجسٹ کی سہولت مہیا کر دی گئی ہے۔

خصوصی پیشکش

مکمل ہیلتھ چیک اپ

الٹراساؤنڈ (پیٹ)، ایکسرے (چیسٹ) ای سی جی، ہیپاٹائٹس بی اور سی کے ٹیسٹ (Elisa Method)، مکمل بلڈ، اور مکمل یورن، بلڈ گروپ، بلڈ شوگر، جگر، گردے، دل اور جوڑوں سے متعلقہ متعدد بلڈ ٹیسٹ شامل ہیں۔

صرف -/3500 روپے میں

تنظیم اسلامی کے رفقاء اور ندائے خلافت کے قارئین اپنا ڈسکاؤنٹ کارڈ لیبارٹری سے حاصل کریں۔ ڈسکاؤنٹ کارڈ کا اطلاق خصوصی پیکج پر نہیں ہوگا۔

نوٹ: لیب اتوار اور عام تعطیلات پر کھلی رہتی ہے

950-B فیصل ٹاؤن، مولانا شوکت علی روڈ نزد راوی ریسٹورنٹ لاہور

Ph:3 516 39 24, 3 517 00 77 Fax: 3 516 21 85

Mob:0300-8400944, 0301-8413933 E-mail:info@alnasarlab.com

معمار پاکستان نے کہا:

''پاکستان کا منشاء صرف آزادی اور خودمختاری نہیں بلکہ اسلامی نظریہ ہے جو ایک بیش بہا عطیے اور خزانے کی حیثیت سے ہم تک پہنچا ہے اور جسے ہمیں برقرار رکھنا ہے اور جس کے بارے میں ہمیں اُمید ہے کہ دوسرے بھی اس سے فائدہ اُٹھائیں گے۔'' (جون 1948ء)

ستمبر 1948 میں آپ نے مزید وضاحت کی:

''قرآن پاک مسلمانوں کا ہمہ گیر ضابطہ حیات ہے۔ مذہب، معاشرت، قانون، عدالت اور معاشیات، غرض یہ کہ ہماری مذہبی رسوم سے لے کر روزمرہ کے معاملات تک ہر شے پر اس کی عملداری ہے۔ اسلام صرف روحانی احکام، تعلیمات اور رسوم تک ہی محدود نہیں بلکہ یہ ایک مکمل ضابطہ حیات ہے جو مسلم معاشرے کو مرتب کرتا ہے۔''

نومبر 1948ء کو آپ نے حصول پاکستان کے حوالے سے پھر فرمایا:

''مسلمان پاکستان کا مطالبہ اس لیے کر رہے تھے کہ وہ اپنے ضابطۂ حیات، اپنی روایات اور اسلامی قوانین کے مطابق حکومت کر سکیں۔''

Dr. Muzaffar Iqbal

WAR OF TERROR

A logical answer to this question would be: the One who revealed the religion of Islam. But since He does not speak to humanity directly, it would logically mean His speech as manifested in the Quran. The Quran, however, is a book and books do not speak; they are read by human beings and therefore the right to speak about Islam passes on to those who have the knowledge of the Book.

Islam is, however, not only the Book, but also its manifestation in the life of a unique human being who was sent to close the prophetic cycle. His life has been preserved to such an extent that we know what he said when he got up from his bed and what he did when he went to sleep and what he said and did in numerous other situations of his life. This body of scholarship, the hadith, together with the Book, in which there is no doubt, are the foundations of Islam. Thus, the most logical answer to the question, "who speaks for Islam?" should be: those who possess knowledge of the Book and of the life of the one to whom the Book was revealed. This, however, is only a straightforward answer in theory because as soon as one starts to deal with reality, one comes face to face with a wide range of interpretation of the Book and an equally wide range of opinions about the body of literature called hadith. In addition to competing interpretations, the foreground is utterly cluttered with rhetoric, politics, struggle for oil, international intrigues and hegemonic designs, and the rest of the complexity of this post-modern world.

All of these factors have always been there and Muslims have been divided in their political behaviour for centuries. But the situation has never been so complex as it is now, because in the previous centuries, there was a stable middle ground: rulers did what they used to do and the palace intrigues and political struggles of a small group of human beings produced a certain amount of disorder in the polity. However, most human beings lived out their lives in relative isolation from these grand intrigues. The state did not control individual lives as it does now. Most human beings did not have much to do with it: their existence was not recorded in registers; they were not reduced to a number on their national identity cards and there was far less state interference in the daily routines of life than it is now.

The present situation is utterly different from any previous situation in which Muslims have lived: the post-9/11 era has forced a rapid transformation of Muslim polity across the globe. The unleashing of the war of terror --- and it must always be called war of terror and not war on terror --- has been accompanied by a sharp increase in rhetorical battles and enormous changes to ground realities in the historic Shia-Sunni wedge. A very important part of the Middle East is now fuming with rage because of the rise of the Arab Shia political power in Iraq, which has initiated a battle for the rise of Shia power in Bahrain, which in turn involves the custodians of the two sanctified houses.

In addition to creating this battleground, the post-9/11 push has succeeded in equating Islam and Muslims with terrorism, even though the reality is opposite to this perception, which has been projected on the global scene by the cunning use of willing and involved media, technology, and through brute and raw power.

To date, there is no external and verifiable evidence of who was the real mastermind behind